احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 102	9 ربیع الاوّل تا 10 ربیع الثانی 1436 ہجری یکم جنوری تا 31 جنوری 2015ء	شمارہ نمبر 2-1

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدّد صد چہاردہم) کی

غیرتِ ناموسِ رسالتؐ

”میں سچ سچ کہتا ہوں ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں، لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارے ہیں، ناپاک حملے کرتے ہیں خدا ہمیں اسلام پر موت دے، ہم ایسا کام نہیں چاہتے جس میں ایمان جاتا رہے۔“ (پیغام صلح، ص ۳۰)

”میرے دل کو کسی چیز نے اس قدر تکلیف نہیں دی جس قدر ان کے استہزا اور ہتک عزت نے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میری تمام اولاد میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دی جاتی اور میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے اور میری آنکھیں نکال دی جاتیں اور میں اپنی تمام مرادوں سے نامراد اور ہر قسم کے آرام و آسائش سے بے نصیب کیا جاتا تب بھی یہ بات مجھ پر زیادہ شاق نہ گزرتی۔“ (آئینہ کمالات اسلام، ص ۱۵)

”اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریمؐ کی کی گئی دکھا۔“

(آئینہ کمالات اسلام، ص ۵۲)

اسلامی جہاد پر اعتراض کا جواب

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ (مجدد صد چہاردہم)

''بعض ناسمجھ جو اسلام پر جہاد کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب لوگ جبراً تلوار سے مسلمان کئے گئے تھے۔ افسوس ہزار افسوس کہ وہ اپنی بے انصافی اور حق پوشی میں حد سے گذر گئے ہیں۔ ہائے افسوس ان کو کیا ہوگیا کہ وہ عمداً صحیح واقعات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے ملک میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے ظہور فرما نہیں ہوئے تھے تا یہ گمان کیا جاتا کہ چونکہ وہ بادشاہی جبروت اور شوکت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لئے لوگ جان بچانے کے لئے ان کے جھنڈے کے نیچے آ گئے تھے۔ پس سوال تو یہ ہے کہ جب کہ آپؐ کے لئے اپنی غریبی اور مسکینی اور تنہائی کی حالت میں خدا کی توحید اور نبوت کے بارے میں منادی شروع کی تھی تو اس وقت کس تلوار کے خوف سے لوگ آپؐ پر ایمان لے آئے تھے۔ اور اگر ایمان نہیں لائے تھے تو پھر جبر کرنے کے لئے کس بادشاہ سے لشکر مانگا گیا تھا۔ اور مدد طلب کی گئی تھی؟ اے حق کے طالبو! تم یقیناً سمجھو کہ یہ سب باتیں ان لوگوں کی افترا ہیں جو اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا۔ جس کا باپ پیدائش سے پہلے ہی فوت ہوگیا اور ماں صرف چند سال کا بچہ چھوڑ کر مر گئی تھی۔ تب وہ بچہ جس کے ساتھ خدا کا ہاتھ تھا بغیر کسی کے سہارے کے خدا کی پناہ میں پرورش پاتا رہا اور اس مصیبت اور یتیمی کے ایام میں بعض لوگوں کی بکریاں بھی چرائیں۔ اور بجز خدا کے کوئی متکفل نہ تھا اور پچیس برس تک بھی پہنچ کر کسی چچا نے بھی آپ صلعم کو اپنی لڑکی نہ دی۔ کیوں کہ جیسا کہ بظاہر نظر آتا تھا آپؐ اس لائق نہ تھے کہ خانہ داری کے اخراجات کے متحمل ہو سکیں۔ اور نیز محض اُمی تھے اور کوئی حرفہ اور پیشہ نہیں جانتے تھے۔''

(''مقام محمد مصطفےٰ صلعم'' صفحہ نمبر 88)

☆☆☆☆

ادار یہ

سانحہ پشاور، معصوموں کے خون سے لکھی گئی بربریت کی داستان

بلاشبہ 16 دسمبر وطنِ عزیز کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے، پشاور میں 132 معصوم بچوں کے قتل نے سفاکی کی ایک ایسی وحشت ناک داستان رقم کی جس پر بلاتفریق رنگ و نسل ساری انسانیت نوحہ کناں ہے۔ جس کی مذمت کے لئے الفاظ بے معنی اور بے جان نظر آتے ہیں۔ لغت کا کوئی لفظ اُس درد کی ترجمانی نہیں کر سکتا جس میں ہر محبّ وطن مبتلا ہے۔ اس سانحہ نے متاثرہ خاندانوں کو ہی نہیں بلکہ پوری قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

جان کی حرمت ہر مذہب سکھاتا ہے مگر انسانی جان کی جو قدر و قیمت اسلام نے متعین کی ہے وہ نہ کوئی مذہب پیش کر سکا ہے اور نہ ہی کوئی نام نہاد تہذیب۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا واشگاف الفاظ میں اعلان ہے ''جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے (بدلہ کے) یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جو کوئی اس کو زندہ رکھے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا'' (المائدہ:32)

ایک جگہ فرمایا ''اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ وہ مومن کو مار ڈالے، مگر غلطی سے ۔۔۔ اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے، اُسی میں رہے گا اور اللہ اس پر ناخوش ہے اور اس پر لعنت کرتا ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کرے گا۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں اسلام وعلیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تُو مومن نہیں'' (النساء: 92 تا 94)

اس المیے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ قتل عام ایک ایسے گروہ کی طرف سے ہوا اور اسکی ذمہ داری بھی علی اعلان اور فخریہ انداز میں قبول کی گئی جس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کا نفاذ اس ملک میں چاہتا ہے اور یہ سب اسی کے لئے جدوجُہد ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایسی سفاکی اور بربریت کسی بھی طور اسلام کی مقدس تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کی کھلی کھلی بغاوت اور انکار ہے۔ کیوں کہ جس دین کا نام ہی ''اسلام'' یعنی سلامتی ہو، جس کا پیغام بھی سلامتی ہو، جس کی غرض و غایت انسانیت کی فلاح اور سلامتی ہو تو اس کے نام پر بے گناہوں کا قتل عام صرف فتنہ ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔ جبکہ فتنے کے بارے میں قرآن کریم کا موقف بہت واضح ہے کہ ''فتنہ قتل سے بڑھ کر سخت ہے'' اور فتنہ پرور لوگوں کے لئے ہی قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے ''جب انھیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، کہتے ہیں ہم ہی اصلاح کرنے والے ہیں۔ یقیناً یہ خود ہی فساد کرنے والے ہیں، پر سمجھتے نہیں''

یہ وہی زمانہ ہے جس کے بارے میں مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰؐ نے پیشگوئی فرمادی تھی ''آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے، نوعمر، بیوقوف، بات ایسی کہیں گے جو جہان کی باتوں میں سے اچھی ہو، اور دین سے اس طرح نکلیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا'' (بخاری کتاب المناقب)

بے گناہوں کا قاتل کوئی بھی ہو، قتل عام کسی بھی نام پر ہو وہ قابل مذمت ہے اور جس کی واشگاف الفاظ میں مذمت ہونی چاہیے۔ اگر، مگر چونکہ، چنانچہ کے ساتھ ہونے والی مذمت ظالموں کی وکالت اور متاثرہ خاندانوں اور پوری قوم کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔ کیوں کہ ظلم کو ظلم، ظالم کو ظالم اور مظلوم کو مظلوم کہنا ہی اللہ کا حکم ہے۔ اور یہی اسلام کی تعلیمات۔

افتتاحی خطاب (برموقع سالانہ دعائیہ 2014ء)

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام لاہور

"اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھے رستے پر چلا، ان لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے"۔

ہم سب کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دعائیہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت سے بہتر شکر ادا کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور سال نصیب کیا کہ ہم سب یہاں مل بیٹھیں اور خالصتاً اللہ کے دین کی خاطر اپنے کام، اپنے گھر بار چھوڑ کر اور اپنی جیبوں سے مال خرچ کر کے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے حاضر ہوں۔ ہم دنیا کے مختلف ممالک اور اپنے ملک پاکستان کے مختلف شہروں سے یہاں اس خانہ خدا میں دین کی خاطر اکٹھے ہوئے ہیں کہ جو سارا سال اپنی زندگی پیسے کمانے میں گھر اور گھر والوں کی فکر کرنے میں، اپنی زمینوں میں اور اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ وہ سب چھوڑ کر کچھ وقت صرف دین کی سربلندی کی تدابیر کے لئے صرف کریں۔ آپ سب کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ نیک خیال ڈالا کہ آپ سب اکٹھے ہو کر اللہ سے دعائیں مانگنے میں اپنا یہ وقت صرف کریں۔ تمام دنیاوی ضروریات کو پیچھے چھوڑتے ہوئے یہاں پوری توجہ سے اچھی باتیں اپنے قلوب میں جذب کر کے ساتھ لے جائیں اور اس ارادہ سے ساتھ لے کر جائیں کہ ان پر عمل کرنا ہے۔

سالانہ دعائیہ کی بنیاد خود حضرت مسیح موعودؑ نے رکھی۔ یہ چار پانچ دن اس لئے رکھے تاکہ ہم ایک دوسرے سے مل سکیں، ایک دوسرے سے پہچان بنا سکیں، اکٹھے بیٹھ کر دعائیں کر سکیں اور پھر ہمارے اندر جو محبت کا رشتہ پیدا ہو اس کو آگے بڑھا سکیں۔ جو یہاں سنیں اس کے مطابق ہم اپنی زندگیوں میں تبدیلی لا سکیں تاکہ خدا تعالیٰ کے قرب کا حصول جو ہماری پیدائش کا اصل مقصد ہے اس کو ہم حاصل کر سکیں۔

میں آپ سب لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان دنوں کو بلکہ ہماری تمام زندگی کو اپنی حفاظت میں لے لے اور جو مشکلات ہمارے آگے پہاڑ کی طرح کھڑی نظر آتی ہیں ان کو اپنی طاقت سے ریزہ ریزہ کر دے اور ہمیں وہ عمل کرنے کی توفیق دے جس کے ذریعہ ہم وہ مقصد حاصل کر سکیں جس کے لئے ہماری جماعت کو قائم کیا گیا۔ یوں تو ہم نے اپنے ناموں کے ساتھ احمدی کا لیبل لگا لیا ہے لیکن یہ جائزہ لینے کا وقت ہے کہ حضرت صاحب نے جس تقویٰ کے حصول کے لئے جماعت قائم کی تھی وہ تقویٰ ہم میں موجود ہے یا ہم بھی باقی دنیا کی ادیان اور قوموں کی طرح صرف ایک دینی جماعت کا لیبل لگا کر دین کی خدمت کرنے کا دعویٰ ہی کرتے ہیں جبکہ ہم میں بھی کوئی ایسی بات نہیں رہی کہ ہم وہ خدمتِ دین صحیح معنوں میں کر سکیں یا لوگوں کو یہ احساس دلا سکیں کہ یہ شخص واقعی مختلف قسم کی چیز ہے اور ایک احمدی ہے۔

احمدی لیبل نہیں بلکہ احمدی ہونا عزت کا مقام ہے۔ یہ نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمد پر رکھا گیا ہے اور اگر کوئی شخص یا جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو استعمال کرے مگر اس کی شخصیت و کردار میں آپؐ کے کردار کا

اعلیٰ نمونہ جسے قرآن نے ''خلق عظیم'' کہا ہے نہ ہو تو میرے خیال میں اس سے بڑی بدنصیبی انسان کی زندگی میں اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ جو شخص اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے اس میں وہ خصوصیات ہونی چاہئیں وہ تقویٰ اور کردار ہونا چاہیے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان تھا اور اس شخص کی زندگی میں یہ جھلک نظر آئے کہ واقعی یہ ایک سچا مسلمان ہے۔ واقعی یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر چلنے والا انسان ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں پھر سے ایک موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم اپنے اندر جھانک کر اپنی روحوں کا جائزہ لیں اور اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیں۔ کسی دوسرے کو ضرورت نہیں کہ وہ پوچھے کہ تم کتنے متقی ہو یا نہیں ہو، کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کسی کو تنقیدی نظر سے دیکھے۔ سب سے بڑا آئینہ خدا تعالیٰ نے انسان کا اپنا دل بنایا ہے۔ اس میں انسان کو اپنی روح اور اپنے جسم کا عکس نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن وہ اپنی آنکھیں اندھی کر لیتا ہے، وہ اپنے کان بہرے کر لیتا ہے۔ ہم نے ان دنوں میں یہ جائزہ لینا ہے کہ ہمارے اندر بھی کوئی ایسی خامیاں تو نہیں۔ اس لئے آج یہ ارادہ کر لیں کہ اگر ہمارے اوپر کوئی داغ لگے ہوئے ہیں، اگر ہمارے اندر کوئی خامیاں ہیں تو جیسے کپڑے پر نشان لگتے ہیں تو ہم بے چین ہو جاتے ہیں کہ اس کو دھویا جائے اور صاف کیا جائے یا لوگوں کے درمیان پہن کر نہ پھرا جائے ویسے ہی ہم نے اپنی خامیوں کو دور کرنا ہے۔ ہماری روح ہماری نظروں سے اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور ہم دیکھ نہیں پاتے۔ ہم اپنی غلطیوں کی طرف اگر توجہ کریں تو پھر دوسروں کی غلطیوں کی طرف انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ اپنے آپ کو پہلے ٹھیک کرنا ہوگا۔

آج ہم ارادہ کریں کہ ہر فرد اپنے آپ میں روحانی ترقی لانے کی کوشش کرے گا اور اس جلسہ گاہ میں، اس مسجد خدا میں اس ارادہ سے بیٹھیں اور ہر تقریر کے بعد اپنے آپ سے پوچھیں کہ میں نے اس میں ایسا کیا سنا؟ جس کو اپنے استعمال میں لا کر میں اپنے آپ کو بہتر انسان بنا سکتا ہوں۔ اگر یوں ہو جائے تو پھر یہ کامیاب دعائیہ کہلائے گا اور اگر یوں نہ ہوا تو پھر ہم اس کو عام اجلاس اور کانفرنسوں سے مختلف نہیں کہہ سکیں گے۔ جو بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا جب ایک لیکچر ختم ہو جاتا ہے تو گھر جاتے جاتے وہ سارا لیکچر بھول جاتے ہیں اسی لئے امتحان میں وہ فیل ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہ ارادہ کریں کہ ہم نے جو سنا اس کو یاد کریں گے، اس کے نوٹس بنائیں گے، اس پر عمل کریں گے اور اپنے عمل کی وجہ سے دوسروں کے لئے نمونہ بنیں گے تو پھر وہ چیز یاد بھی رہتی ہے اور انسان کی زندگی کامیاب بھی ہوتی ہے اور کسی کو یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ ابھی دنیا میں بہت وقت پڑا ہے۔

ہم میں کوئی ایسا انسان نہ ہو جو یہ تصور کر بیٹھے کہ ابھی بڑا وقت ہے، ابھی بچہ ہے اس کو کھیلنے دو، اس کو مسجد میں لے جانے کی کیا ضرورت ہے، جب بڑا ہوگا تو خود ہی مسجد میں جائے گا یہ سب کچھ کر لے گا جو ہم کر رہے ہیں اور جو ہم کرنا چاہتے تھے مگر ہمیں نصیب نہیں ہوا لیکن یہ وہ سب کچھ ضرور کرے گا۔

سانحہ پشاور کی مثال لے لیں، کتنے والدین کے خواب اس دن ٹوٹ گئے، کتنے پھول بے رحم ہاتھوں نے مسل دیئے، کتنی مائیں اپنے اکلوتے بچوں کو کھو بیٹھیں۔ کیا کسی کے بھی یہ تصور میں تھا کہ اس کا بچہ آج رات کو گھر نہیں آنے والا۔ یہ پروگرام صرف اور صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کتنا موقع عطا کیا گیا ہے اور کس کو کتنا موقع عطا کرنا ہے۔ اس دن شاید ہی کوئی ایسی آنکھ ہو جس میں آنسو نہ آیا ہو کیونکہ یہ وار جو ہمارے بچوں پر ہوا، اصل میں وہ وار ہمارے دلوں پر تھا کیونکہ بچے ہماری قوم کا دل ہیں۔ والدین اپنے بچوں کی تربیت میں جہاں دنیا میں کامیابی کے اصول بتاتے ہیں وہاں ان کی توجہ دین کی طرف بھی کرواتے رہیں کیونکہ بغیر دین کے دنیا کچھ نہیں۔

آج اگر ہم نے صبح کا درس سنا اور اُس کو اپنے دلوں میں جگہ دی ہوئی تو پھر یہ سمجھ آ گئی ہوگی کہ اس 70 سالہ زندگی کے لئے ہم کیا کچھ نہیں کرتے لیکن ہمیشہ رہنے والی زندگی سے بالکل بے خبر ہو کر سو جاتے ہیں۔ کتنے لوگوں کی اُمنگیں تھیں کہ وہ آج کے دن اس جلسہ گاہ میں بیٹھے ہوں۔ میں شیخ ممتاز صاحب (سیالکوٹ) کے پاس گیا وہ پکا ارادہ رکھتے تھے کہ وہ دعائیہ میں آئیں گے لیکن

(بقیہ صفحہ نمبر 10)

تحریراتِ امام الزماں در مدح خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آئینہ صفاتِ الٰہیہ

چونکہ آنحضرتؐ اپنی پاک باطنی اور انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلی و اصفی تھے اس لئے اللہ جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کیلئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحفِ سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔ (سرمہ چشم آریہ،ص ۲۰۔۲۱ حاشیہ)

قابل تعریف نبی

میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب .... اور تمام صفات جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دنیا میں قائم ہو میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف راجع ہیں اس لئے کہ میں آپ کا غلام ہوں اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مامور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذول ہے۔ (الحکم، ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء)

قابل فخر نبی

ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے خدا کا اس پر بڑا ہی فضل ہے وہ خدا تو نہیں مگر اس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے اس کا مذہب جو ہمیں ملا ہے خدا کی طاقتوں کا آئینہ ہے اگر اسلام نہ ہوتا تو اس زمانہ میں اس بات کا سمجھنا محال تھا کہ نبوت کیا چیز ہے اور کیا معجزات بھی ممکنات میں سے ہیں اور کیا وہ قانون قدرت میں داخل ہیں اس عقدے کو اس نبی کے دائمی فیض نے حل کیا اور اسی کے طفیل سے اب ہم دوسری قوموں کی طرح صرف قصہ گو نہیں بلکہ خدا کا نور اور خدا کی آسمانی نصرت ہمارے شامل حال ہے ہم کیا چیز ہیں جو اس شکر کو ادا کر سکیں کہ وہ خدا جو دوسروں پر مخفی ہے اور وہ پوشیدہ طاقت جو دوسروں سے نہاں در نہاں ہے وہ ذوالجلال خدا محض اس نبی کریمؐ کے ذریعہ سے ہم پر ظاہر ہو گیا۔

(چشمہ معرفت۔ص ۹۔۱۰، خاتمۃ الکتاب)

سانحہ پشاور ایک لمحہ فکریہ

خطبہ جمعۃ المبارک، فرمودہ: عامر عزیز الازھری، بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ''اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لئے اُن کی اولاد کا قتل کرنا اُن کے شریک اچھا کر دکھاتے ہیں، تا کہ وہ اُنہیں ہلاک کر دیں اور ان کا دین اُن پر خلط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے، سو اُن کی اور جو وہ افترا کرتے ہیں چھوڑ دے، اور کہتے ہیں یہ چار پائے اور کھیتی منع ہے۔ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جس کو ہم چاہیں، ان کے خیال میں اور چار پائے جن کی پیٹھوں (پر چڑھنے) کو حرام کر دیا گیا ہے اور چار پائے جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اس پر افترا کرتے ہوئے، وہ ان کو اس کا بدلہ دے گا جو وہ افترا کرتے تھے، اور کہتے ہیں جو کچھ ان چار پایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں، وہ اُن کو اُن کے بیان کا بدلہ دے گا وہ حکمت والا علم والا ہے۔ بیشک وہ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں قتل کر دیا اور جو اللہ نے ان کو رزق دیا تھا اس کو اللہ پر افترا کر کے حرام کر دیا۔ بیشک وہ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں''۔ (سورۃ الانعام ۶: آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۰)

یہ آیات جو میں نے تلاوت کیں اور ان کا ترجمہ بیان کیا ان کا پشاور کے سکول میں بچوں کے قتل عام سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو ہم جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے اس سانحے کی پُر زور مذمت کرتے ہیں۔ ہم اس فعل قبیح کی پُر زور مذمت کرتے ہیں۔ یہ محض انسانیت سوز واقعہ نہیں یہ وحشت و بربریت ہے اور قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ ایسے لوگ انسان نہیں بلکہ یہ جانور ہیں۔ ہم اس فعل کو جانوروں جیسا فعل قرار دیتے ہیں جو پوری انسانیت کے لئے شرمناک ہے۔ اس سے پوری انسانیت کا سر جھک جاتا ہے۔ اس طرح معصوم بچوں کا قتل کرنا خواہ وہ کسی دین اور ملت سے تعلق رکھتے ہوں وہ انسانیت کے لئے بھی باعث شرم ہے اور مسلمانوں کے لئے تو خاص طور پر یہ انتہائی شرمناک فعل ہے۔ جنہوں نے قتلِ ناحق کیا وہ مسلمان تو دور کی بات انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہیں۔

بچوں کا اس طرح سر عام قتل ہونا اور وہ بھی مذہب کے نام پر بغیر کسی عذر کے بغیر کسی جرم کے یہ انسانیت کی توہین اور انسان کی توہین ہے۔ اسلام کا تو اس فعل سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ ہم سب افراد جماعت اس بات پر غمزدہ بھی ہیں اور ہمیں اس کا انتہائی افسوس بھی ہے یہ ہماری قوم، ہمارے ملک کے بچے ہیں اور انشاء اللہ العزیز بعد از نمازِ جمعہ ہم ان سب بچوں کی نمازِ جنازہ غائبانہ بھی ادا کریں گے کہ ہم ان کے والدین کے دُکھ اور غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے کہ بہت سے مشرکوں کے لئے ان کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اچھا عمل دکھائی دیتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اولاد کو قتل کرنے والوں کو مشرکین کے برابر قرار دیا اور لفظ ولد عربی میں لڑکے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی اولاد کو قتل کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ مشرک ہیں اور ان کو یہ عمل اچھا لگتا ہے۔ وہ جو ان کے شریک ہیں وہ کام ان کو اچھا کر کے دکھاتے ہیں۔

آپ اس سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام کسی بچے کے قتل کرنے کو کتنا گھناؤنا فعل سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ بہت سے مشرکوں کے لئے بچوں کو قتل کرنا ان کے شریک اچھا کر کے دکھاتے ہیں۔ یہ مکروہ فعل اور قابل نفرت عمل ان کی آنکھوں میں اچھا لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ان کا دین ان پر خلط کر دیں''، یعنی اس شرمناک فعل کے مرتکب دین کی غلط تعبیر کرتے ہیں۔ اس دین کی خاطر بچوں کا قتل جائز

سمجھتے ہیں اور وہ دین کو محض استعمال کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں یہ جو پشاور کا سانحہ ہوا اس پر میڈیا میں جو بحث ہوئی اس سے بھی نظر آتا ہے کہ اس عمل کے مرتکب لوگوں نے دین کو خلط ملط کر دیا ہے۔ علماء جو ٹیلی ویژن پر بیٹھے ہیں وہ اس معاملے کی تقسیم میں کہ آیا قتل کرنے والے مسلمان ہیں یا نہیں؟ اب بحث یہ ہے کہ جنہوں نے قتل کیا ہے ان کی کیا حیثیت ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ بالکل مسلمان ہیں ہی نہیں۔ مسلمان تو ایسا کام کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا دین ان پر خلط کر دیا گیا۔ یہ واضح نظر آرہا ہے۔

ایک اور افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ کل ایک پروگرام میں اسی موضوع پر بات ہو رہی تھی تو محترم ومکرم طاہر القاری صاحب کے ایک نمائندے نے ایسا بیان دیا کہ جس سے ہمارے دل اور زیادہ دُکھی ہو گئے ہیں۔ ایک عالم یہ کہہ رہے تھے کہ پاکستان کا آئین ہی غلط ہے تو طاہر القادری صاحب کے نمائندے نے کہا آپ یہ بات مت کریں کیونکہ قادیانی اس پر بھنگڑے ڈالیں گے۔ ہمیں ان کے اس بیان پر بڑا افسوس ہے۔ ہم احمدی ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو اس طرح معصوم بچوں کے قتل پر بھنگڑے ڈالیں گے۔ ہم ایسے واقعات کے ذریعے سے آئین میں تبدیلی نہیں چاہتے۔ یہ آپ کی سیاست ہے۔ یہ آپ کی وہ دین کی تعبیر تھی جس نے آج اس ملک کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ یہ 150 بچوں کے قاتل وہ ہیں جنہوں نے انہیں اس راہ پر ڈالا ہے۔

جنہوں نے اس زمانے کے امام کی تعلیم حاصل کی ہے وہ اس طرح کی گھٹیا سوچ رکھ ہی نہیں سکتے۔ ہم آئین میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں چاہتے جو معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیل کر حاصل ہو۔ یہ ہمارا شعار نہیں ہے کیونکہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ ہم دل و جگر سے اس سانحے سے زخمی ہیں اور ہم ان والدین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کے پیارے ان سے بچھڑ گئے اور ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا ہے کہ بچوں کا قتل کرنا اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا کسی بڑے انسان کا قتل۔ اگلی آیت میں ہے ”بے شک وہ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں قتل کر دیا“ بچوں کو قتل کرنے والے گھاٹے میں ہیں۔ یہ جو قتل ہوئے یہ لاعلمی میں قتل کئے گئے۔ یہ لوگوں کی لاعلمی نہیں تھی یہ ان جاہل لوگوں کی دین سے لاعلمی تھی جس کی بھینٹ یہ معصوم پھول چڑھ گئے۔

پھر آگے اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اپنی اولاد کو اپنے بچوں کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی“ یعنی مفلسی کی وجہ سے بھی اللہ نے بچوں کو قتل کرنا حرام ٹھہرایا ہے کہ بھوک کے ڈر سے بھی انہیں قتل نہ کرو کیونکہ اللہ ہی ان کا اور ہمارا رازق ہے۔

پھر سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اپنی اولاد کو اور اپنے بچوں کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ تمہارا رزق اور ان کا رزق ہم تمہیں عطا کرتے ہیں“ اور یہاں تک کہ بچوں کو تعلیم نہ دینا یہ بھی قتل کے زمرہ میں آتا ہے چہ جائیکہ ان کے جسم کو گولیوں سے بھون دیا جائے جیسا کہ پشاور میں کیا گیا۔

آپ دیکھیں کہ حیرانگی کی بات ہے کہ اس فعل کے بعد بھی چند لوگ اس کی Justification ڈھونڈتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم تو آپ کے سامنے ہے کہ بغیر کسی جرم کے ایک انسانی جان کو قتل کرنا حرام ہے۔ صرف حکم یہ دیا گیا کہ وہ جو لوگ تم سے لڑیں تم ان کے ساتھ لڑائی کر سکتے ہو۔ صرف اور صرف اس صورت میں اللہ نے لڑائی کی اجازت دی کہ وہ لوگ جو تمہارے خلاف ہتھیار اٹھائیں ان کے خلاف تم بھی دفاع میں ہتھیار اُٹھاؤ لیکن ان کے خلاف نہیں جو گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

سنن ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ صلعم حاجت کے واسطے گئے۔ ہم نے ایک چڑیا دیکھی اس کے دو بچے تھے۔ بچوں کو

ہم نے پکڑ لیا۔ وہ چڑیا آ کر زمین پر پَر بچھانے لگی جیسے کوئی منت اور عاجزی کرتا ہے۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم تشریف لائے تو آپؐ نے کہا کس نے اس کو بے قرار کیا اور اس کا بچہ لے لیا ہے۔ دے دو اس کو اس کا بچہ۔

ذرا غور کریں کہ ایک چڑیا پر مار رہی ہے رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ کس نے اس کا بچہ یہاں سے اٹھایا اس کا بچہ اس کو واپس دے دو اور صحابہ کرامؓ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ چڑیا کا بچہ واپس کیا جاوے۔ ہائے افسوس یہاں پر 150 ماؤں کے بچے قتل کر دیئے گئے۔ کیا وہ چڑیا کے بچوں سے بھی بدتر تھے۔ کیا رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث آپ نے نہیں پڑھی کہ آپؐ حکم دیتے ہیں کہ چڑیا کے بچے واپس کر دو کیونکہ اس کی ماں تڑپ رہی ہے لیکن یہاں 150 ماؤں کی گودیں اجڑ گئیں کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، بے حسی ہی بے حسی ہے۔

پھر آگے حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے ایک سوراخ چونٹیوں کا دیکھا جسے صحابہؓ نے جلا دیا تھا۔ آپ صلعم نے فرمایا کس نے اس کو جلایا؟ صحابہؓ نے جواب دیا ہم نے جلایا ہے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ''انگار سے عذاب دینا درست نہیں کسی کو مگر انگار کے مالک یعنی اللہ جل جلالہ کو۔''

آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ جلانے کا اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف جہنم میں رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کو جلانے کا حکم نہیں۔ یعنی رسول اللہ صلعم ان چیونٹیوں کو جلانے سے منع کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں تعلیم دینے والے اساتذہ کو بھی جلایا گیا ان لوگوں کو جو وہاں تعلیم دے رہے تھے۔ کیا یہ ہے اسلام کی تعلیم؟ اور یہ ہے رسول اللہ صلعم کی سنت؟ افسوس نادان لوگ اس عظیم الشان نبی صلعم کی تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔

پھر صحیح مسلم میں آتا ہے کہ: ''ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم نے بچوں کو قتل کرنے کے بارے میں کیا کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلعم نے بچوں کو قتل نہیں کیا اور اس سے روکا اور تُو بھی قتل نہ کر۔''

پھر آگے انہوں نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلعم مشرکوں کے بچوں کو مارتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول صلعم مشرکوں کے بچوں کو نہیں مارتے تُو بھی نہ مار'' یعنی آپ غور کریں کہ رسول اللہ صلعم مشرکوں کے بچوں کو بھی نہیں مارتے تھے لیکن کیا جو یہ بچے سکول میں پڑھ رہے تھے وہ آپ کے نزدیک مشرکوں کے بچوں سے بھی بدتر تھے۔ رسول اللہ صلعم کی تعلیم تو یہ ہے کہ مشرکوں کے بچوں کو بھی قتل نہ کرو۔

پھر دوسری جگہ اسی مسلم کی حدیث میں آتا ہے

''رسول اللہ صلعم کافروں کے بچوں کو بھی نہیں مارتے تھے اور نہ عورتوں کو تم بھی ایسا نہ کرنا۔'' اس واضح تعلیم کے باوجود ہمارا عمل کتنا گھناؤنا ہے۔ کیا ہم اس رسول صلعم کی تعلیم پر عمل پیرا ہیں!!!

پھر ابوداؤد میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے:

''عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کو رسول اللہ صلعم نے کسی لڑائی میں دیکھا کہ وہ قتل کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے منع کیا عورتوں اور لڑکوں کو مارنے سے۔'' یعنی لڑائی کے دوران آپ صلعم نے دیکھا کہ ایک عورت قتل ہو گئی حالانکہ جنگ میں ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں لیکن آپ صلعم نے اس کی لاش دیکھتے ہوئے لڑائی کے دوران بھی منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

پھر ابوداؤد کی ایک حدیث میں آتا ہے رباح بن ربیعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہم ایک لڑائی میں تھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک چیز پر جمع ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کو کہا کہ جا کر دیکھ یہ مجمع کس کا ہے؟ وہ شخص آیا اور کہا ایک عورت ماری گئی ہے۔ اس پر لوگوں کا مجمع ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا کہ یہ تو کچھ لڑتی نہ تھی اس کو کیوں مارا؟ تو لوگوں نے کہا کہ اگلی فوج پر خالد بن ولیدؓ ہیں'' تو آپ صلعم نے خالد بن ولیدؓ کو کہلا بھیجا کہ ''نہ کسی عورت کو مارو نہ کسی مزدور کو'' جنگ کی حالت میں آپ صلعم نے منع فرما دیا کہ بچوں کو، عورتوں کو اور مزدوروں کو قتل نہ کیا جائے۔ آپ صلعم نے خالد بن ولیدؓ کو حکم دے دیا۔ آئندہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔

ان احادیث نبوی صلعم کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کر لیں کہ کیا معصوم

بچوں کے قتل کا کوئی جواز بنتا ہے!!!

آپ صلعم نے فرمایا:

سنو خبر دار بچوں کو قتل نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرنا اور نہ وہ جو کوٹھریوں میں رہتے ہیں یعنی جو دوسرے مذاہب کے لوگ جو عبادت گاہوں میں ہوں ان کے قتل سے بھی آپ صلعم نے منع کر دیا۔ جو آپ کے خلاف نہیں لڑتے آپ ان کو نہیں مار سکتے۔ یہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم ہے جو ہمیں ان احادیث میں ملتی ہے۔ لہذا جس طرح ان معصوم بچوں کو پشاور میں شہید کیا گیا یہ اسلام کی تعلیم اور رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے صریح خلاف عمل ہے اور یہ قابل مذمت عمل ہے۔ یہاں تک ہی نہیں رسول اللہ صلعم نے تو چڑیا کے بچے واپس کروا دیئے کہ وہ تڑپ رہی ہے اور چیونٹیوں کے جلانے کو آپ صلعم نے منع کر دیا۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ ایسی تعلیم کو ماننے والا کبھی ایسی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔

اسی طرح ایک جنگ کے اندر ایک شخص قیدی بنا کر لایا گیا تو اس کے پاس کپڑے نہیں تھے قمیض نہیں تھی، جیسے عموماً جنگ کی حالت میں ہوتا ہے۔ تو رسول اللہ صلعم نے کہا کہ اس کو کپڑے پہنائے جائیں۔ قمیض تلاش کی گئی تو عبداللہ بن ابی کی قمیض اس شخص کو پوری آ رہی تھی۔ عبداللہ ابن ابی کی قمیض آپ نے اس شخص کو پہنا دی۔ اسی لئے پھر آپ صلعم نے اپنی قمیض عبداللہ بن ابی کو اس کی وفات کے بعد اُتار کر پہنائی تھی۔ تاکہ وہ جو احسان اس نے کیا تھا اس کے فوت ہونے پر رسول اللہ صلعم نے اپنی قمیض اس کو پہنا کر واپس کیا۔ اگرچہ عبداللہ بن ابی کو رئیس المنافقین بھی کہا جاتا ہے لیکن آپ صلعم نے اس کی وفات کے بعد اپنی قمیض اس کو پہنائی اور وہ اس میں ہی دفن کیا گیا۔ کیا رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر کوئی انسانوں سے شفقت کا دعویٰ دار ہو سکتا ہے جو ایک قیدی کے جسم پر قمیض نہ ہونے پر تڑپ اٹھتے ہیں۔

ایک قیدی جو جنگ کی حالت میں قید ہو کر آیا ہے اس کی قمیض نہیں ہے آپ صلعم کہتے ہیں اس کو قمیض پہنائی جائے۔

یہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم ہے جن کا نام تو ہم لیتے ہیں مگر ان کی تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ جن صاحب نے ٹیلی ویژن پر یہ فضول بات کی ہے کہ قادیانی اس بات پر شاید بہت خوش ہوں گے۔ میں ان کے سامنے اس زمانے کے امام کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں تاکہ ان کو علم ہو سکے کہ مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو کیا تعلیم دی ہے۔

یہ تو آپ لوگوں نے سکھایا کہ قتل کرنے کے بعد بھی اس پر سیاست کریں اور بھنگڑے ڈالیں۔ ہمیں وہ تعلیم نہیں دی گئی۔ حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب گورنمنٹ انگریزی اور جہاد میں فرماتے ہیں:

”میں نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو اور نوع انسان کے ساتھ حق ہمدردی بجا لاؤ۔ اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو کہ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ کیا ہی گندہ اور ناپاک وہ مذہب ہے **جس میں انسان کی ہمدردی نہیں اور کیا ہی ناپاک وہ راہ ہے جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھرا ہے۔** سو تم جو میرے ساتھ ہو ایسے مت ہو۔ تم سوچو کہ مذہب سے حاصل کیا ہے۔ کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزاری تمہارا شیوہ ہو؟ نہیں بلکہ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے جو خدا میں ہے اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم ہو۔ آؤ میں تمہیں ایک ایسی راہ سکھاتا ہوں جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر غالب رہے اور وہ یہ ہے کہ تم تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو چھوڑ دو اور ہمدرد نوع انسان ہو جاؤ اور خدا میں کھوئے جاؤ۔ اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل کرو کہ یہی وہ طریق ہے جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور فرشتے مدد کے لئے اُترتے ہیں مگر یہ ایک دن کا کام نہیں ترقی کرو۔ اُس دھوبی سے سبق سیکھو جو کپڑوں کو اوّل بھٹی میں جوش دیتا ہے اور دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ آخر آگ کی تاثیریں تمام میل اور چرک کو کپڑوں سے علیحدہ کر دیتی ہیں۔ تب صبح اُٹھتا ہے اور پانی پر پہنچتا ہے اور پانی میں کپڑوں کو تر کرتا ہے اور بار بار پتھروں پر مارتا ہے۔ تب وہ میل کپڑوں کے اندر تھی اور اُن کا جزو بن گئی تھی

کچھ آگ سے صدمات اٹھا کر اور کچھ پانی میں دھوبی کے بازو سے مار کھا کر یکدفعہ جدا ہونی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کپڑے ایسے سفید ہو جاتے ہیں جیسے ابتداء میں تھے۔ یہی انسانی نفس کے سفید ہونے کی تدبیر ہے اور تمہاری ساری نجات اس سفیدی پر موقوف ہے۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: قد افلح من زکّٰھا۔ یعنی وہ نفس نجات پا گیا جو طرح طرح کے میلوں اور چرکوں سے پاک کیا گیا۔ دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے اور یہ بات میں نے اپنے سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔''

حضرت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جس مذہب میں ہمدردی نہیں ہے وہ کونسا مذہب ہوسکتا ہے۔ ہم اس اسلام پر عمل پیرا ہیں جو رسول اللہ صلعم نے پیش کیا ہے۔ وہ اسلام جس کو پیش کرنے والے رسول کریم صلعم ایک چڑیا کے تڑپنے پر بھی تڑپ جاتے ہیں۔

پھر حضرت صاحب اپنی کتاب ''تحفہ قیصریہ'' میں لکھتے ہیں:

''یہ بھی عرض کر دینے کے لائق ہے کہ اسلامی تعلیم کے رو سے دین اسلام کے صرف دو حصے ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ تعلیم دو بڑے مقاصد پر مشتمل ہے۔ اوّل ایک خدا کو جاننا جیسا کہ وہ فی الواقعہ موجود ہے اور اس سے محبت کرنا اور اس کی سچی اطاعت اور ہمدردی میں اپنے وجود کو لگانا جیسا کہ شرط اطاعت ومحبت ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی میں اپنے تمام قویٰ کو خرچ کرنا اور بادشاہ سے لے کر ادنیٰ انسان تک جو احسان کرنے والا ہو۔ شکر گذاری اور احسان کے ساتھ معاوضہ کرنا، اسی لئے ایک سچا مسلمان جو اپنے دین سے واقعی خبر رکھتا ہو اس گورنمنٹ کی نسبت جس کی ظلِ عاطفت کے نیچے امن کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے ہمیشہ اخلاص اور اطاعت کا خیال رکھتا ہے اور مذہب کا اختلاف اس کو سچی اطاعت اور فرمانبرداری سے نہیں روکتا لیکن پادریوں نے اس مقام میں بھی بڑا دھوکہ کھایا ہے اور ایسا سمجھ لیا ہے گویا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کا پابند دوسری قوموں کا بدخواہ اور بداندیش بلکہ ان کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ ہاں یہ قبول کر سکتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کی عملی حالتیں اچھی نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ ہر ایک مذہب کے بعض لوگ غلط خیالات میں مبتلا ہو کر نالائق حرکات کے مرتکب ہو جاتے ہیں اسی قماش کے بعض مسلمان بھی پائے جاتے ہیں مگر جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ خدا کی تعلیم کا قصور نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی سمجھ کا قصور ہے جو خدا کی کلام میں تدبر نہیں کرتے اور اپنے نفس کے جذبات کے تابع رہتے ہیں۔ خاص کر جہاد کا مسئلہ جو بڑے نازک شرائط سے وابستہ تھا بعض نادانوں اور کم عقلوں نے ایسا الٹا سمجھ لیا ہے کہ اسلامی تعلیم سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ اسلام ہمیں ہرگز یہ نہیں سکھلاتا کہ ہم ایک غیر قوم اور غیر مذہب والے بادشاہ کی رعایا ہو کر اور اس کے زیر سایہ ہر ایک دشمن سے امن میں رہ کر پھر اُسی کی نسبت بداندیشی اور بغاوت کا خیال دل میں لاویں بلکہ وہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر تم اس بادشاہ کا شکر نہ کرو جس کے زیر سایہ تم امن میں رہتے ہو تو پھر تم نے خدا کا شکر بھی نہیں کیا۔''

لوگوں کو ایذا پہنچانا تمہارا شیوہ نہ ہونا چاہیے۔ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے جو خدا میں ہے اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا کہ آسمان سے تم پر رحم ہو۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں: کہ خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا کہ تم پر رحم ہو۔ آؤ میں تمہیں ایسی راہ دکھاتا ہوں جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر غالب رہے۔

تو جو لوگ خدا کے ارادہ کے خلاف چلے۔ وہ لوگ اس خونِ ناحق کے ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ خدا کے اس ارادے کے خلاف نہ چلتے تو یہ حال نہ ہوتا۔ حضرت مرزا صاحب تو فرماتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے دین اسلام کے دو حصے ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ تعلیم دو بڑے مقاصد پر مشتمل ہے اوّل ایک خدا کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور اس سے محبت کرنا اور اس کی سچی اطاعت میں اپنے وجود کو لگانا جیسا کہ شرط اطاعت محبت ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کے

بندوں کی خدمت اور ہمدردی میں اپنے تمام قویٰ کو خرچ کرنا۔ خواہ وہ مال کے ذریعے سے ہو یا جان کے ذریعے سے ہو۔ آپ پیشے میں ڈاکٹر ہیں تو اس شعبے میں خدمت کریں، انجینئر اپنے کام سے خدمت کر سکتا ہے۔

حضرت صاحب فرماتے ہیں: یہی اسلام کے دو حصے ہیں ایک خدا کی عبادت کرنا اور انسان کی ہمدردی کرنا۔ یہ وہ تعلیم ہے جس کو چھوڑ کر ہمارا یہ حال ہوا ہے جس کا نظارہ ہم نے پشاور میں دیکھا۔ یہ ہمارے لئے ایک سیاہ دن ہے لیکن یہ ان کے لئے خاص طور پر کہ جنہوں نے اس زمانے کے امام کی تعلیم کو ماننے سے انکار کیا وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ ان بچوں کے قاتل وہ افراد تو ہیں ہی جنہوں نے ان کو مارا لیکن وہ بھی ذمہ دار ہیں جنہوں نے ان قاتلوں کو اس حد تک پہنچایا۔ ہمیں اس بات کا افسوس ہے اور انتہائی افسوس ہے۔ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان سارے والدین کو صبر عطا فرمائے اور ان کے لخت جگر جو اِن سے جدا ہو گئے ہیں۔ وہ تو معصوم بچے تھے، وہ تو جنتی ہیں۔ لیکن جنہوں نے قتل کیا وہ مجرم ہیں اور جنہوں نے ان کا ساتھ دیا وہ بھی مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عذاب کے مستحق بھی۔

یہ ایک انتہائی افسوسناک عمل تھا اس پر ہم سب رنجیدہ بھی ہیں۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے مطابق یہ ایک گھناؤنا اور شرمناک فعل ہے۔ اس زمانے کے امام کی تعلیم تو سو سال سے یہ کہہ رہی ہے کہ انسان کی ہمدردی کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک اور تمام دنیا کے بچوں کی حفاظت فرمائے اور ہمیں رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مسلمان بھائیوں کو اس زمانے کے امام کا دیا ہوا پیغام سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ آئندہ ہماری زندگیوں میں ایسی قتل و غارت کا لمحہ نہ آئے اور ہم امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ آمین

☆☆☆☆

بقیہ: افتتاحی خطاب حضرت امیر ایدہ اللہ

دعائیہ سے دو یا تین دن پہلے اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ یہ تو ایسے انسان کی مثال میں یہاں دے رہا ہوں جس نے تقریباً اپنی ساری خوشیاں دیکھ لیں، جس نے روحانیت میں وہ اعلیٰ مقام حاصل کر لیے لیکن کیا سب کو وہ مقام حاصل ہوں گے یا سب کو وہ عمر نصیب ہو گی کہ وہ بھی کسی دن چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جائیں۔

میں آسٹریلیا کے دورہ پر جب گیا تو وہاں ایک چھوٹی سی بچی نے مجھ سے پوچھا کہ پاکستان میں اتنے خطرات ہیں تو آپ آسٹریلیا کیوں نہیں آ جاتے؟ میں نے اس کو جواب دیا کہ فرض کرو میں آسٹریلیا آنے کا ارادہ کر لوں اور ائیر پورٹ سے نکلتے ہی کوئی کار مجھے ٹکر مار دے پھر تو میں پاکستان سے بھی محروم ہو جاؤں گا اور آسٹریلیا سے بھی اور جو میرے ذمے فرض ہے اس کی ادائیگی سے بھی محروم ہو جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیں جہاں دنیا کے لئے اچھا نمونہ چھوڑ کر جائیں۔

ہم ان تمام بچوں کے لئے جو سانحہ پشاور میں شہید ہوئے دعا کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں جو لوگ فوت ہوئے ہیں اور جو ہماری جماعت کے لوگ فوت ہوئے ان کے لئے بھی ہم دعا کرتے ہیں، وطن عزیز کے تمام شہدا اور تمام شہیدائے افواج کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ہاں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے سوگوار خاندانوں کو صبر عطا فرمائے۔ (آمین)۔

اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی رحمت میں لے لے اور ہمارے اس دعائیہ کو کامیابی عطا فرمائے۔ ہمارے جتنے لوگ اس دعائیہ میں آئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو حفظ و امان میں رکھے اور خیریت سے واپس اپنے گھروں تک پہنچائے۔

(آمین)

☆☆☆☆

(آخری حصہ)

احمدیہ تحریک کا تاریخی جائزہ

صد سالہ تقریبات کے لئے خصوصی فیچر

محترمہ زاہدہ بشیر صاحبہ (بی ایس ایڈ)

جماعت احمدیہ کے علاوہ دیگر اسلامی دنیا اور ملک ہندوستان نے بھی اس اختلاف کو محسوس کیا اور چند لوگوں (احباب لاہور) کی جرات ایمانی کی وجہ سے جماعت کے ایک حصہ کو غلو اور مسلمانوں کی تکفیر کی لعنت سے جو نجات ملی اس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے اخبار "الہلال" مورخہ 25 مارچ 1914ء میں لکھتے ہیں:

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بنا پر دو جماعتیں پیدا ہوگئیں تھیں ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعوئی پر ایمان نہ لائے ہوں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود ہیں اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا"۔

لاہور آنے کے بعد حضرت مولانا محمد علیؒ نے احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ (حال نشتر روڈ) میں قیام کیا۔ یہیں پر احمدیہ بلڈنگس لاہور کی بنیاد رکھی۔ آپ نے 2 اپریل 1914ء کے اخبار پیغام صلح میں لکھا:

"اس خیال سے تا قوم کی طاقت کو اپنے اصل مقصد کی طرف لگایا جائے اور اس خیال سے کہ اہل قبلہ کے کفر کا مسئلہ اشاعت دین اور سلسلہ کی ترقی میں خطرہ ہے اور جو کام اشاعت (دین) کا اس وقت یورپ میں شروع کیا گیا ہے۔ اس میں حرج واقعہ نہ ہو۔ یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ علاوہ اس کام کے جو صدر انجمن احمدیہ کے تحت مل کر افراد سلسلہ کر رہے ہیں ایک انجمن لاہور میں اشاعت (دین) کی غرض سے بنائی جائے جس کا مقصد سلسلہ کی اصل غرض کو جو اشاعت دین ہے قوت دینا ہو اور اس کام کو ایک مستحکم بنیاد پر رکھ کر نئے جوش کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔ اس میں وہ سب احباب شریک ہوں جو عام اہل اسلام، اہل قبلہ، کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتے۔۔۔ چنانچہ اسی بنیاد پر توکلاً علی اللہ ایک انجمن کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔۔۔ اصل غرض ہمارے سلسلہ کی جو بار بار ہمارے بانی سلسلہ احمدیہ فرما چکے ہیں اشاعت (دین) ہی ہے اس لئے ہم جس قدر بھی زور اشاعت (دین) پر لگا سکیں اور جس قدر بھی اپنے مالوں اور جانوں کو اس کام کے لئے وقف کر سکیں تھوڑا ہے۔ میرے دوستو دین سخت مصائب کے نیچے ہے۔ اس کی اشاعت کرنا ایک عظیم الشان کام ہے ابھی تک جو تم نے اس بارے میں کیا وہ درحقیقت ایک پہلا قدم ہے۔ اگر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد میں سچے ہو تو آؤ اور پورا زور اس رسی کے کھینچنے میں لگاؤ۔۔۔

یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو۔۔۔۔ اللہ کا اذن تبھی ہوگا جب تم اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھو۔ ظاہری کوشش بھی کرو اور باطنی بھی یعنی دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ۔"

12 اپریل 1914ء کو میاں صاحب نے چند خاص آدمیوں کے ایک اجلاس میں صدر انجمن احمدیہ پر وہ تیر چلایا جس سے اس کی جڑیں کٹ جاتی تھیں یعنی انجمن کے قاعدہ نمبر 18 میں جو کہ حسب ذیل تھا:

"ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین۔۔۔ اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت بانی سلسلہ کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا"۔

ترمیم اور تبدیلی کی یہ تجویز کی گئی کہ حضرت مرزا صاحب کی جگہ حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانیؒ کے الفاظ درج کئے

جائیں۔ اس بات کی اطلاع حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچی تو آپ نے 21 اپریل 1914ء کے ''پیغام صلح'' میں ایک کھلا اعلان شائع کیا جس کا عنوان تھا: ''صدر انجمن احمدیہ قادیان

انا للہ وانا الیہ راجعون''

اور بتایا کہ کس طرح اس تبدیلی سے اُس انجمن کا جو حضرت صاحب نے بنائی تھی وجود ختم ہوجائے گا لیکن میاں محمود احمد صاحب نے اپنی تجویز کو 26 اپریل 1914ء کے اجلاس معتمدین میں اپنے بیعت کردہ ممبران کی کثرتِ رائے سے پاس کروالیا جس پر 5 مئی 1914ء کے پیغام صلح میں مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہؒ کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں تمام معاملے کی پھر وضاحت کی گئی اور اس اعلان کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا۔

''اب عملاً انجمن ٹوٹ گئی ہے جس کے قواعد کی یہ بے حرمتی کی گئی ہے اور ایک غیر مامور کو مامور کا رُتبہ دے دیا گیا ہے اور پھر زکوٰۃ اور اشاعتِ دین کے فنڈ جو حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں بھی کلیتہً انجمن کے تصرف میں تھے اب میاں محمود احمد صاحب کے تصرف میں چلے گئے ہیں۔ چونکہ ہم قانونی چارہ جوئی کر کے قوم کی طاقت اور روپیہ کو برباد کرنا نہیں چاہتے اور اس اعلان کے ذریعے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک بری الذمہ ہیں کیونکہ کسی قانونی صورت کو اختیار کرنے میں بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ نظر آتا ہے''۔

ان حالات میں مورخہ 3 مئی 1914ء کو ''احمدیہ انجمن اشاعت لاہور'' کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا گیا اور 3 مئی 1914ء کو ہی اس کی معتمدین کا پہلا اجلاس ہوا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ نے قواعد انجمن پیش کئے جو پاس ہوئے۔ مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو امیر قوم اور صدر منتخب کیا گیا۔

ان تمام حالات سے واضح ہوگیا کہ اختلاف کے ڈیڑھ ماہ بعد تک مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء کی یہی کوشش رہی کہ کسی طریق پر جماعت کی سالمیت برقرار رہے حتیٰ کہ میاں محمود احمد صاحب کو امیر جماعت ماننے کی پیشکش بھی کی گئی مگر اس شرط پر کہ وہ حضرت مرزا صاحب کے ارشادات کے خلاف مختار کُل خلیفہ نہ بن جائیں کیونکہ ایک تو یہ الوصیت کے خلاف تھا اور دوسرے میاں صاحب نے ایک خطرناک عقیدہ تمام مسلمانوں کے کفر کا گھڑ لیا تھا مگر جب میاں صاحب نے انجمن کے قواعد کو بدل کر مختار کُل خلیفہ کی حیثیت اختیار کی تو مجبوراً صدر انجمن احمدیہ سے علیحدہ ''احمدیہ انجمن اشاعت لاہور'' قائم کی گئی۔ باقی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جب حضرت صاحب نے انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دے دیا تو اسی انجمن نے میاں محمود احمد صاحب کو ایک مختار کُل خلیفہ بنالیا اور اس سے ان کا ماننا ضروری ہوگیا۔ اس بات کا جواب 5 مئی 1914ء والے اعلان میں وضاحت سے دیا جاچکا ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت صاحب نے یہ حدود رکھ کر اس انجمن کو قائم کیا تھا کہ آپ کے بعد کوئی فردِ واحد آپ کا جانشین نہ ہوگا اس لئے انجمن خود اپنے قواعد کے مطابق حضرت صاحب کے فیصلہ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی اور آپ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کی مجاز نہ تھی۔

میاں صاحب کے من گھڑت عقائد جو حضرت صاحب کے عقائد کے سراسر خلاف تھے کی نشر واشاعت کی وجہ سے خود حضرت صاحب کی پوزیشن مشتبہ ہورہی تھی اور اشاعت دین کے راستے میں قادیانی غلو اس طرح حائل ہورہا تھا کہ بہت سے غیر از جماعت لوگ جماعت احمدیہ میں شامل ہونے یا اس کی کسی رنگ میں امداد کرنے سے اس لئے ہچکچاتے تھے کہ ان کو یقین نہ ہوتا تھا کہ حضرت بانی سلسلہ کی تعلیم وہ ہے جو جماعت لاہور پیش کر رہی ہے۔ اپریل 1940ء میں حضرت مولانا محمد علیؒ نے میاں صاحب کو چیلنج دیا کہ وہ ان تین مسائل کے متعلق جس طرح چاہیں ثالثوں کو رکھ کر یا بغیر ثالثوں کے یہ بحث کرلیں کہ ہم دونوں میں سے کس کا مسلک حضرت مرزا صاحب کے مسلک کے خلاف ہے یعنی (۱): کفر واسلام (۲): نبوت (۳): خلافت، لیکن بحث تحریری ہو میں خود اکیلا لکھوں گا۔ میاں صاحب اپنے ساتھ جتنے آدمی چاہیں رکھ لیں، مئی 1940ء میں پھر اس کو دوہرایا لیکن میاں صاحب نے کوئی توجہ نہ دی اور الفضل کی 24 جولائی 1940ء کی اشاعت میں لکھا:

''جہاں تک مجھے یاد ہے وہ (مولانا محمد علی صاحب) غالباً 1915ء سے یہ طریق پیش کر رہے ہیں اور اس طرح 33 سال ان کی اس تجویز پر گذر چکے ہیں اور میں نے اس 33 سال کے عرصے میں قبول نہیں کیا اور اس پر دلیل یہ دی ہے کہ مذہبی عقائد کے بارے میں مَیں اپنی بیوی، بیٹیوں اور بھائیوں کا فیصلہ بھی منظور کرنے کو تیار نہیں۔۔۔میرے عقیدے کا سوال میرے لئے ہے اور میں اس میں کسی دوسرے کا فیصلہ کیوں قبول کروں''۔

قادیانی عقیدہ نبوت حضرت مرزا صاحب قادیانی کب بنایا گیا ان مسائل پر جماعت کے ادوارِ ماضی میں مفصل بحث ہو چکی ہے اور اس مضمون پر سب سے جامع کتاب مولانا محمد علیؒ کی ''النبوۃ فی الاسلام'' ہے جس کا کوئی جواب جماعت قادیان کی طرف سے نہیں دیا گیا لیکن حضرت مولانا محمد علیؒ کی زندگی میں جماعت قادیان کے ساتھ بحث و دعوتِ مقابلہ کے لئے بار بار تحریک کی گئی جو ایک الگ مستقل مضمون ہے۔اس لئے قارئین کے لئے مختصراً اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے جب مامور ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے ساتھ ہی نبوت کے دعویٰ سے انکار بھی کیا ہے اور یہاں تک لفظ اپنے قلم سے لکھ دیئے کہ ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں'' آپ کی تحریروں میں بعض لفظ ایسے آئے ہیں جن سے مخالف مولویوں نے مراد دعویٰ نبوت لیا اور اس وجہ سے آپ پر کفر کے فتویٰ لگائے گئے جن کے جوابات حضرت مرزا صاحب نے نہایت صفائی سے اور بار بار دیئے۔ان میں سے چند مثالیں یہ ہیں:

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ کیا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''(ازالہ اوہام ص 421)

''ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے''۔(حمامتہ البشریٰ ص 8)

''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے''۔

(جنگ مقدس ص 67)

''الزیہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔۔۔تو بغیر اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین''(انوار الاسلام ص 34)

''افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے''(کتاب البریہ ص 181)

''مکفرین کے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔۔۔اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے''۔

(حمامتہ البشریٰ ص 79-81)

''میں۔۔۔۔صاف صاف اقرار۔۔۔۔۔اس۔۔۔۔۔میں کرتا ہوں کہ جناب خاتم الانبیاء صلعم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 4 ص 233)

''اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں، یہی ہے کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا''۔(انجام آتھم حاشیہ ص 27)

''کیونکہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ فرما دیا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے آنحضرت صلعم کے بعد نہیں آسکتا''۔(کتاب البریہ حاشیہ ص 184)

چونکہ حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت نہیں تھے اس لئے انہوں نے واضح الفاظ میں تحریر فرما دیا کہ:

''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا اس لئے میں کسی کلمہ گو کو کافر نہیں سمجھتا''۔(تریاق القلوب)

''پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو جو ہمارے ذمے یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گوؤں کو کافر ٹھہرایا ہے۔حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں سبقت نہیں ہوئی۔خود اُن کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں۔۔۔کیا کوئی مولوی یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ ایسا اشتہار یا رسالہ ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے ہماری طرف سے شائع ہوا ہو جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو۔۔۔یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر

ٹھہرائیں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگائیں کہ ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص120)

''ڈاکٹر عبدالحکیم ۔۔۔میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایمان نہیں لائے گا گو وہ میرے نام سے بے خبر ہوگا اور ایسے ملک میں ہوگا جہاں میری دعوت نہیں پہنچی تب بھی وہ کافر ہو جائے گا ۔۔۔۔یہ ڈاکٹر صاحب کا سراسر افتراء ہے میں نے کسی کتاب یا اشتہار میں ایسا نہیں لکھا ہے''۔(حقیقۃ الوحی ص178)

''اگر کوئی اور نبی نیا یا پرانا آوے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء ہیں''۔(ایام الصلح ص74)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے عقائد کے بارے میں بعض حوالجات مذکورہ قارئین کرام کے مطالعہ میں آئے ۔ یہی عقائد آپ کے اصل متبعین ممبران احمدیہ انجمن لاہور کے ہیں۔خود اکابرین قادیان کے بھی یہی عقائد تھے اور تو اور خود میاں محمود احمد صاحب کے اپنے عقائد بھی شروعات میں ایسے ہی تھے۔

الحکم 11 مارچ 1911ء میں میاں صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خاتم النبیین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپؐ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا''۔

اور پھر یکم اپریل 1910ء کے تشحیذ الاذہان میں لکھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی''۔

معلوم ہوا کہ جب تک میاں محمود احمد صاحب نے تکفیرِ مسلمانان کا عقیدہ بعض مصلحتوں کی بنا پر ایجاد نہیں کیا تھا تب تک جماعت احمدیہ کے کسی فرد کے دل میں حضرت صاحب کے دعویٰ نبوت کے متعلق کوئی وہم تک بھی نہ تھا اور حضرت صاحب کی تحریرات میں جو لفظ نبی استعمال ہوا ہے وہ خود حضرت صاحب کی ہی بیان کردہ توجیہہ کے مطابق لغوی یعنی خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنے والے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور حضرت صاحب خود فرما چکے ہیں کہ اس سے مراد محدث ہے۔

لیکن ایک وقت آیا کہ ''خلافت'' کا جواز پیدا کرنے کے لئے قادیان سے ایسے عقائد کا بیان شروع ہوا جو حضرت صاحب کے عقائد کے سراسر خلاف تھے چنانچہ اعلان کیا گیا کہ:

(۱): ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر سمجھیں اور ان کا فرض ہے کہ ہمیں کافر سمجھیں۔''

(۲): ''جیسے ایک غیر احمدی کا فرض ہے کہ جب تک وہ بیعت میں داخل نہ ہو مسیح موعود اور اس کے متبعین کو مسلمان نہ سمجھے ایسے ہی ایک احمدی کا فرض ہے کہ جو مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں اسے مسلمان نہ سمجھے۔''

(تقریر خلیفہ بحوالہ فاروق 16 جنوری 1917ء)

(۳):''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔۔۔کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں۔'' (انوار خلافت ص90)

(۴): ''کیونکہ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں دو گروہ ہیں، ایک مومن دوسرے کافر پس جو مسیح موعود پر ایمان لانے والے ہیں وہ مومن ہیں جو ایمان نہیں لائے خواہ ان کے ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ ہو وہ کافر ہیں''۔(ذکر الٰہی ص22)

(۵): ''جن پر تبلیغ نہیں ہوئی ان کا حساب کتاب خدا کے ساتھ ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ تبلیغ ان کو ہو چکی یا نہیں ۔۔۔۔۔چونکہ شریعت کی بنا ظاہر پر ہے ہم ان کو کافر ہی کہیں گے''۔(تشحیذ الاذہان ص139)

(۶): پس نہ صرف اس کو جو آپ کو یعنی مسیح موعودؑ کو کافر نہیں کہتا مگر آپ کے دعویٰ کو نہیں مانتا کافر قرار دیتا ہے بلکہ وہ بھی جو آپ کو دل سے سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی انکار نہیں کرتا لیکن بیعت میں اسے کچھ توقف ہے کافر قرار دیا ہے۔(تشحیذ الاذہان ص141)

(۷): ''کل مسلمان جنہوں نے مرزا غلام احمدؑ کی بیعت نہیں کی خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔(آئینہ صداقت ص35)

(۸): ''رہا وہ شخص جو حضرت اقدس کو سچا مانتا ہے لیکن اُس نے ابھی

بیعت نہیں کی اُس کے متعلق بھی یہی کرنا چاہیے کہ اُس کا جنازہ نہ پڑھیں''۔

(انوار خلافت ص93)

(۹): یہ طرز عمل جس قانون پر مبنی ہے ---یہ ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کا انکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کے لئے دعا جائز نہیں''۔(الفضل 17 اکتوبر 1922ء)

(۱۰): غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے کوئی تعلقات ان کی شادی غمی کے معاملات میں نہ ہوں''۔(الفضل 10 جون 1916ء)

(۱۱): کلمتہ الفصل ص 79 پر ہے''غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں ۔ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔---دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں ایک دینی اور دوسرے دینوی، دینی تعلقات کا بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیاوی تعلقات رشتہ ناطہ ہے سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے ہیں اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے''۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 20 پر مرزا محمود صاحب مرقوم ہیں:

(۱۲): ''ہر ایسا شخص جو موسیٰؑ کو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا عیسیٰؑ کو مانتا ہے مگر محمد صلعم کو نہیں مانتا یا محمد صلعم کو مانتا ہے مگر مسیح موعودؑ کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے''

''کس کا دل گردہ ہے جو یہ کہے کہ مسیح موعودؑ کا ماننا جز و ایمان نہیں''۔

(الفضل 2 مئی 1914ء)

''جب نبی ثابت ہوئے تو آپ کا ماننا بھی جز و ایمان ثابت ہوا''۔

(الفضل 6 مئی 1914ء)

قارئین کرام! ان عقائد کے تقابلی مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں کہ قادیان کی خلافت کے خود ساختہ عقائد حضرت امام زمان کے عقائد سے یکسر مختلف اور مخالف ہیں ۔ایسے گمراہ کن اور برخود غلط معتقدات پر مسلمانانِ برصغیر نے اگر نوٹس لیا تو یہ سراسر قدرتی امر تھا اور یہ کہ جماعت کے اندر طالع آزما کا پیدا کردہ افتراق بدگمانی، آویزش وسازش، ہوم میڈ مسئلہ خلافتِ برخود غلط عقیدہ اجراءِ نبوت اور تکفیر المسلمین ایسے منفی اور لایعنی رویے تھے جنہوں نے احمدیہ تحریک کی اصلیت وحقیقت کو دنیا سے اوجھل کر دیا اور مسلمان طبقہ کو جانی دشمن بنا لیا۔اس حقیقت کے برعکس روزنامہ الفضل مجریہ 29 مارچ 1989ء''برصغیر پاک و ہند کی ایک مایہ ناز شخصیت'' کے عنوان سے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آپ نے اشاعت (دین) کے عظیم الشان کام کے ساتھ ساتھ دوسرے اہم امور میں بھی مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ہر موقع پر مسلمانوں کی بہبودی میں رہنمائی کی تدابیر اختیار کیں اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست اور مضبوط کرنے کے لئے بھی آپ نے نہ صرف تحریکیں کیں بلکہ عملی طور پر تدابیر اختیار کرنے میں ان کی مدد کی''۔

ان ''رہنمائی کی تدابیر'' سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ خلافتی عناصر نے احمدیت کی غلط تصویر پیش کر کے مخالفین تحریک کو بالواسطہ سہارا دیا اور جماعت کے نام وکام کو بے حد متاثر کیا اور اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

برصغیر پاک و ہند میں کئی دور آئے کہ احمدیہ تحریک کی مخالفت میں جلسے جلوس، احتجاج، تحریکیں، ہڑتالیں، قراردادیں، گھیراؤ جلاؤ، پکڑ دھکڑ، حملے، بلوے اور فسادات ہوئے اور عوام اور انتظامیہ کے لئے کئی بار پریشان کن صورتحال پیدا ہوئی۔

وقت گذرتا رہا اور تاریخ جنم لیتی رہی۔1953ء میں مخالفین تحریک نے اپنے سارے دم خم کے ساتھ سر اٹھایا۔ پنجاب میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔احمدیوں کی جان و مال کا بڑا اتلاف ہوا۔ان فسادات کے بارے میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا جس نے اسباب کے بجائے یہ تحقیق شروع کر دی کہ مسلم کون ہے اور کون نہیں حالانکہ جن نکات کی توضیح کے لئے یہ کمیشن بنایا گیا تھا اس میں یہ سوال سرے سے موجود ہی نہ تھا۔انکوائری کمیٹی کے دائرہ اختیار میں یہ بات نہیں تھی کہ کسی کو مسلم یا غیر مسلم ثابت کیا جائے۔انہوں نے تو صرف اس بات کی تحقیق کرنا تھی کہ فسادات کی ذمہ داری کس فریق پر عائد ہوتی ہے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کا عنوان ہے ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات

فسادات پنجاب 1953ء'' جسٹس جاوید اقبال نے منیر انکوائری رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''منیر رپورٹ انتہائی گمراہ کن اور فضول ہے جس نکتے پر اس نے اپنا زیادہ وقت صرف کیا کمیشن کے دائرہ اختیار میں وہ سرے سے تھا ہی نہیں''۔ بہرحال جماعت ربوہ کے ایک صاحب ملک محمد شریف دھمیال راؤ نے 1970ء میں پیغام صلح کو لکھا کہ:

''منیر انکوائری کمیٹی میں یہ سب مولوی مل کر بھی جماعت احمدیہ ربوہ (قادیان) کو غیر مسلم ثابت نہیں کر سکے یہی وجہ ہے کہ ہم ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے''۔

ٹھیک ہے کہ اس کمیٹی میں سب مولوی مل کر بھی جماعت ربوہ کو غیر مسلم ثابت نہ کر سکے (اور 1974ء میں یہی سب مولوی ایسا کرنے میں کامیاب بھی ہوگئے) لیکن اس کمیٹی میں میاں محمود احمد صاحب نے جو رویہ اختیار کیا اس نے ان کے من گھڑت اور غالی عقائد کے ڈھول کا پول کھول دیا اور اپنے متذکرہ بالا عقائد جو وہ 43 سال تک بڑی شدومد اور تکرار سے پیش کرتے رہے اور جن کے باعث تحریک احمدیت کی بڑی حد تک بدنامی ہوئی اور امتِ مسلمہ کو مزاحمت کرنا پڑی ان کے برعکس میاں صاحب ممدوح نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا:

''کوئی شخص جو مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا'' اور عدالت کے اس سوال پر کہ:

''کیا مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے؟''

میاں صاحب موصوف جواب دیتے ہیں: ''جی نہیں''

اور غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ: ''اب ہمیں بانی سلسلہ کا فتویٰ ملا ہے جس کے مطابق ممکن ہے غور و خوض کے بعد پہلے فتوے میں ترمیم کر دی جائے''۔

اور وہ فتویٰ کیا ہے کہاں سے ملا، کب ملا، اس پر کیا غور و خوض ہوا اور ترمیم شدہ فتویٰ کہاں ہے؟ اور جن لوگوں کو سالہا سال ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح کافر قرار دیتے رہے اور ان کا اور ان کے بچوں تک کا جنازہ ناجائز قرار دیا ان کے متعلق میاں صاحب کا عدالتی بیان ہے کہ:

''اگر لفظ کافر کا مطلق ایسا شخص ہے جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہو تو یقیناً ہمارا یہ عقیدہ نہیں''۔

جنوری 1970ء کی بات ہے مولانا مودودی صاحب نے اپنی جماعت کا منشور شائع کیا جس کی ایک شق میں لکھا تھا کہ:

''جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہیں اور اس کی نبوت پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر کہتے ہیں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ ان کو مسلمان تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ پاکستان کے مسلمان غیر مسلم اکثریت ہیں''۔

الفرقان بابت ماہ جنوری 1970ء میں مولوی صاحب ابو العطاء نے مودودی صاحب کے منشور کی متذکرہ بالا شق کا جو جواب دیا ہے اس میں اپنے معروف جماعتی مسلک کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ اعلان کیا ہے کہ غیر احمدی مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ مسیح موعودؑ کو نبی نہ ماننے کی وجہ سے نہیں بلکہ علماء سُوء کے فتویٰ کفر کے جواب میں لغوی طور پر انہیں کافر کہا گیا ہے۔ مولوی ابو العطاء صاحب نے اس بارہ میں قادیانی اخبار ''لاہور'' کا ایک مکتوب نقل کرتے ہوئے اسے مناسب اور بروقت کوشش قرار دیا۔ اس مکتوب کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں: ''رہی حضور پُرنور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایسے امتی نبی کو نہ ماننے والوں کے لغوی طور پر کافر قرار پانے کی بات تو اس میں بھی پہل دراصل علماء سُوء ہی کی ہے۔ نہ یہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے فرزندِ روحانی اور اس کے ساتھیوں کو کافر قرار دیتے اور نہ ایک کلمہ گو عاشقِ رسول صلعم اور اس کی جماعت کو کافر قرار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی رُو سے خود کافر قرار پاتے ہیں۔''

بالفاظ دیگر کافر قرار دیئے جانے کا واویلا کرنے والوں کو کافر قرار نہیں دیا گیا وہ دوسرے کلمہ گوؤں کو کافر قرار دے کر خود اپنے فعل سے کافر بن گئے ہیں۔

☆☆☆☆

''میں پوری انسانیت سے پیار کرتا ہوں''

چوہدری ناصر احمد صاحب (شاہدرہ)

I shall Love all mankind

یہ مجدد زماں کے مجوزہ پیغام صلح کا عنوان ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ مجدد ایک مصلح ہوتا ہے جو ان غلطیوں کو دور کرنے آتا ہے جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ فرمان خداوندی ہے:

''میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا'' (المائدہ)

فرمان خداوندی کے مطابق نبی آخرالزماں نے مدینہ میں پہلی اسلامی فلاحی ریاست قائم کر کے دکھا دی جس کے ثمرات سامنے آ گئے۔ تکمیل دین کے بعد کسی مذہب کی اور تکمیل نبوت کے بعد کسی نبوت کے ضرورت باقی نہیں رہی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اُمت مسلمہ میں کمزوری شروع ہوئی آج پھر اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کیا ہے اور اب کیوں نافذ نہیں ہو رہا ہے اور کس طرح دوبارہ اپنی روح کے مطابق نافذ ہو سکتا ہے۔

ہم یہ سن سن کر تھک گئے ہیں کہ ہم نے یعنی مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ کسی خاص گروہ، فرقہ یا کسی خاص مسلک کے مسلمانوں نے نہیں بلکہ پوری اُمت مسلمہ میں یہ بات دکھائی دیتی ہے۔ بات تو درست ہے لیکن ایسا کیوں ہے کہ کمیونسٹ سے پوچھیں وہ بتا دے گا کمیونزم کیا ہے؟ کسی سوشلسٹ سے پوچھیں وہ بھی بتا دے گا کہ سوشل ازم کیا ہے۔ مغربی جمہوریت والے بھی اپنا موقف واضح کر دیں گے۔

لیکن جب یہی سوال کسی مسلمان سے پوچھیں کہ اسلام کیا ہے اور پھر مختلف مسلمانوں سے یہی سوال پوچھیں تو جواب مختلف آئیں گے۔ یہ بات صرف نظری حد تک نہیں بلکہ 1953ء کے فسادات میں منیر انکوائری کمیشن نے علماء سے پوچھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ تو رپورٹ ملی کہ ''کسی دو کے جواب بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے مختلف فرقے اس کی تائید کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہم متفقہ طور پر کہہ ہی نہیں سکتے کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں تو پھر غور کریں کہ کس چیز کو چھوڑ چکے ہیں اور کیا اختیار کرنا ہے۔ عام آدمی تو کہہ دیتا ہے کہ میں کوئی عالم نہیں لیکن علماء نے عوام کو مطمئن کرنے اور اپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے چند اصطلاحات کا سہارا لے رکھا ہے جن کو عوام کے ذہنوں میں راسخ کر کے اُن کا مفہوم مبہم رکھا جاتا ہے تاکہ خاموش رہ سکیں۔ ذرا اس کو دیکھ لیں کہ حقیقت کیا ہے۔

(۱): پہلی اصطلاح تو خود اسلام ہے جسے متفقہ طور پر واضح نہیں کیا جاتا۔

(۲): دوسری اسلامی شریعت ہے جو ہر فرقہ اپنے اپنے مطابق پیش کرتا ہے۔

(۳): تیسری سنت ہے جو حساس ہے لیکن سنت کی تعریف بھی الگ الگ کی جاتی ہے۔

(۴): چوتھی اقامت دین ہے جس کی بھی ہر گروہ اپنے اپنے مطابق تشریح کرے گا۔

(۵): پانچویں اسلامی نظام ہے جس کے مفہوم پر ہی متفق نہیں ہیں تو کیسے بنے گا اسلامی نظام۔

عصر حاضر میں سیاسی جماعتوں نے جس طرح کے سلوگن یعنی نعرے عوام کو متوجہ کرنے کے لئے بنا رکھے ہیں۔ اسی طرح مذہب پرست طبقہ نے بھی ان اصطلاحات کو بطور حربہ استعمال کرنا شروع کر رکھا ہے۔ کیونکہ نعروں کا کوئی مفہوم متعین نہیں ہوتا ہے۔ جہالت کے زمانے میں لوگ جو کام جنتر منتر اور ٹونے ٹوٹکوں سے لیتے تھے وہی کام اب ان نعروں سے لیا جا رہا ہے۔

نظام مصطفیٰ

حضور کی ذات گرامی کی وجہ سے نظام مصطفیٰ کا پرچار تو کیا جاتا ہے مگر مختلف فرقوں کے علماء تو ایک طرف خود حنفی العقیدہ مسلمانوں میں بریلوی اور دیوبندی اس کا مفہوم الگ الگ پیش کرتے ہیں۔حتیٰ کہ مقام مصطفیٰ تک میں شدید اختلافات ہیں لہذا یہ بھی مبہم ہوگیا۔اس لئے ان حقائق کو سامنے رکھ کر مروجہ اسلام میں کسی کو کافر کہنا کوئی مشکل کام نہیں۔اب آیئے اسلام کی طرف:

''اسلام نام ہے اللہ کے قوانین کے سامنے سرتسلیم خم کردینے کا۔اُن کی اطاعت کرنے کا۔اُن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا اور اس کے برعکس ان قوانین سے انحراف اور سرکشی کا نام کفر ہے''۔

خدا کائنات کی ہر شے کا نام (الدین) پکارتا ہے کیونکہ ہر شے قوانین خداوندی کی اطاعت کررہی ہے۔یہ اطاعت خدا کے تجویز کردہ مقصد عظیم کی تکمیل کے لئے ہے۔

یہ خدائی وعدہ ہے کہ جس کی دنیا خراب ہے اور وہ اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔اس کی آخرت بھی تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔اسی لئے حضرت مولانا محمد علیؒ مفسر قرآن نے فرمایا کہ''تم قرآن کو آگے پہنچا دو بقیہ کام یہ خود کردے گا''۔

قرآن''البینات'' کو پیش کرتا ہے۔انفرادی اصلاح کے ساتھ اجتماعی اصلاح بھی کرتا جاتا ہے لیکن مروجہ اسلام میں بینات کو مبہم رکھا جاتا ہے۔جیسے لفظ'حور' چار مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔اس کو پیش کرکے سوائے صنف نازک کے کہیں خیال جانے نہیں دیتے حالانکہ یہ عربی کا لفظ ہے اس کا Genda مذکر مونث نہیں ہوتا۔یہ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں پاک روحانی ساتھی۔(Spirtualy Pure Companion) یہ لفظ اصل سفیدی، صفائی اور پاکیزگی کے لئے بھی بولا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے ساتھی بھی اچھے ہی چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ بطور البینات اپنا نام العزیز لکھتا ہے۔عزیز وہ ہوتا ہے جو قوت والا ہو اور قانون نافذ کرنے والا ہو۔

مسلمان کو مومن بننے کے لئے کائنات کی تسخیر کرنا ہوتی ہے اور سہل انگار انسان یہ کیسے کرے گا۔یہ کام تھکے ماندے انسان نہیں کرسکتے ہیں اس کے لئے قرآن نے لفظ''اثیم'' استعمال کیا ہے اور یہی گنہگار ہے۔مومنین خود ہی تیر کر کنارے پر نہیں جاتے بلکہ وہ ڈوبنے والوں کو بھی بچاتے ہیں۔

اچھا کام کرنے کا فائدہ اپنی ذات کو پہلے ہوتا ہے۔یہ نہیں ہوتا کہ سیر آپ کریں اور صحت آپ کے بھائی کی درست ہو۔یہی عدل کا فلسفہ ہے۔مروجہ اسلام میں ہر کوئی ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا ہے۔فقہ اختلافات کو ختم نہیں کرسکتا۔آئے دن مساجد میں مسالک کی بنیاد پر مقدمات ہوتے رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی تو ہے لیکن خدا کا نظام نظر نہیں آتا۔

اسلام فلاح انسانیت کے لئے نظریہ انقلاب پیش کرتا ہے۔انفرادی نیکیوں سے انقلاب نہیں آتے یعنی ٹمپریچر ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔اسلام کا ہر فعل تعمیری ہوتا ہے۔ہندوؤں کا خیال ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے زیادہ اچھے ہیں۔عیسائی سمجھتے ہیں کہ ان کا کفارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دے چکے ہیں۔اور یہودی اپنے آپ کو بخشے ہوئے خیال کرتے ہیں۔لیکن اسلام نظریہ عمل پیش کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اوپر سے کچھ دکھائی دے اور اندر سے کچھ اور ہو۔خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بے مثال عمل سے نمونہ دکھایا اور لوگوں کو حکمت اور دانائی سے قائل کیا۔لوگوں نے دل اور دماغ سے سمجھ کر اسلام کو قبول کیا اور قلیل وقت میں انسانیت ساز نتائج ظاہر ہوئے۔اسلام جیسے تھا ویسے ہی ہوگیا کی بجائے Great Achivement یعنی''فوز العظیم'' کی بات آگے بڑھاتا ہے اور فوز کا مطلب وہ Achivement ہے جو نظر بھی آئے جیسے کمہار مٹی کے تودے سے اعلیٰ ظروف بنادیتا ہے۔اس کو المصور کہا گیا ہے جو کہ خدائی نام ہے۔اسلام میں جرم کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ سمجھنے کی صلاحیت بھی ہو۔خدا کا پیغام بھی پہنچ جائے اور پھر دیدہ دانستہ نہ مانے اور اگر مواخذہ کا احساس ہوجائے تو جرم ختم ہوجاتا ہے۔جرم ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ مواخذہ کا احساس نہیں ہوتا۔دیکھیں نتائج تو ہر چیز کی تاثیر میں ہوتے ہیں۔سنکھیا کھانے

سے ہلاکت تو ہو جائے گی مگر نہ ڈیتھ وارنٹ نکلتے ہیں نہ تارا مسیح کو پھانسی کے لئے بلانا پڑتا ہے۔انسان کو دنیاوی زندگی کی مفاد پرستیاں دھوکہ میں رکھتی ہیں اس لئے اسلام توبہ کا تصور دیتا ہے۔توبہ کا مطلب یہ ہے کہ محسوس کرلیا جائے کہ لوٹ کر وہاں جانا ہے جہاں سے بھولے تھے اور پھر سیدھے راستے پر چلنا شروع ہو جائے۔نجات کے لئے عمل ضروری ہے۔توبہ اسی صورت قبول ہوگی جب مہلت ملے تو عمل کیا جائے عین موت کے وقت توبہ کا کیا فائدہ۔

''یوم الدین'' میں کسی انسان کا کسی دوسرے انسان پر دباؤ نہ ہوگا اگر تم اپنی ذمہ داری سے بڑھ کر اپنے ذمہ کوئی کام لوگے تو مایوسی ہوگی ۔ ہماری جماعت نے امام وقت کو پہنچانا ہے اور امام اپنے وقت سے پہلے ہوتا ہے۔ایک مستری جب دیوار بناتا ہے تو ہر ردے کے بعد ایک لوہے کے لٹو کے ساتھ دیوار کا توازن چیک کرتا ہے۔اس لٹو کو سال عام طور پر کہتے ہیں اسے عربی زبان میں امام کہتے ہیں۔اسی طرح امام انسانیت کو توازن میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

منزل تک پہنچنے کے لئے کارگاہ زندگی میں مشکلات تو لازمی ہیں اسی لئے قرآن حزن اور خوف کا ذکر کرتا ہے۔خوف خارجی خطرات سے آتا ہے اور حزن دل کی اُفسردگی کا نام ہے۔رب مان لینے سے ٹکراؤ تو ہوگا۔استقامت دکھانا پڑتی ہے۔خدا انسانوں کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے، جھکتا کون ہے؟ بھوکا مزدور صبح کو مزدوری کے لئے جائے اور شام کو خالی ہاتھ لوٹے تو اسی کیفیت کو عربی زبان میں حزن کہتے ہیں۔آپ حیران ہوں گے کہ مومن کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اس میں مومن کی خواہش مشیت خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے وہ جو چاہتا ہے اسے مل جاتا ہے۔امام وقت کے جن ساتھیوں نے اپنا مال و متاع اور گھر بار راہ خدا میں دے دیئے اللہ نے ان کو دنیاوی مال و متاع سے بے نیاز کر دیا۔جس کے ثمرات آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔دینے والا ہاتھ لینے ہاتھ سے اوپر ہوتا ہے اور اوپر والے ہاتھ کی عزت زیادہ ہوتی ہے۔آپ کو میں تکریم انسانیت کی اس اسے بڑی مثال کیا دوں کہ خود خدا انسان کو اپنا مہمان بیان کرتا ہے کیونکہ مہمان کو بغیر مانگے چیز مل جاتی ہے۔اسی لئے خدا بغیر مانگے انسان کو دیتا ہے۔اسلام ایسی سوچ دیتا ہے کہ کوئی خرچہ نہیں ہوتا، کسی کی منت نہیں کرنا پڑتی اور کہیں جانا بھی نہیں پڑتا اور صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ کم از کم ایک انسان کو بہتر کردو اور وہ انسان تم خود ہو۔قومیں قیادت بناتی ہیں اور قیادت جذبہ پیدا کرتی ہے۔اسلام انسان کو مولا صفات بنانا چاہتا ہے اور مولا کی دو صفات عزیز اور حکیم ہیں۔عزیز وہ قوت والا ہوتا ہے جس کو خیر سے قوت ملے نہ کہ چنگیز خان کی قوت والا اور حکیم اس کو کہتے ہیں جو عقل و بصیرت سے قوت کا استعمال کرے۔محض دانش ہو اور قوت نہ ہو تو بے فائدہ۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

سقراط اور بقراط یونان کے عظیم فلسفی تھے لیکن وہاں بڑی مملکت نہ بن سکی کیونکہ نظریہ انسانیت ساز نہیں تھا۔فرعون نے غلبہ کا تاثر تو دیا لیکن انسانیت سازی رہ گئی۔اسی لئے کہ اس نے دانشوروں کو الگ کر دیا تھا۔اسلام ہمیں غور و تدبر کرنے کا درس دیتا ہے لیکن کچھ عجیب باتیں سنیں۔(ہوں لکھ میت دا یعنی حرکت نہ کر سست ہو جا) پھر عقلوں بس کریں اویار۔پھر وہ تو عقل سے پیدل ہے۔اس قسم کی باتیں غیر سنجیدہ ہیں۔

دراصل یہ باتیں شخصیت پرستی کا شاخسانہ ہیں اور شخصیت پرستی اپنے ہم سفروں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیتی ہے اور کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔لیکن قرآن تو مایوسی سے بچانے کے لئے شاعرانہ اور فلسفے جیسے حقائق بھی دے دیتا ہے۔قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ ہے:''رات کا تاریکوں کو دبے پاؤں لے کر آنا اور پھر ہٹ جانا اور پھر صبح ہو جانا'' یہ ہے قرآنی انداز بیان جس کو اقبال نے کہا ہے:

غروب سورج پیام دیتا ہے اک نئی صبح کے طلوع کا

امام زمانہ نے واضح کر دیا ہے کہ اندر کے انسان تک جانے کا راستہ دماغ سے نہیں دل سے ہو کر جاتا ہے۔دوسروں میں جذبہ قبولیت پیدا کرنا ہوتا ہے۔میری اپیل ہے کہ ہم یہ نہ دیکھیں کہ کون کتنا جانتا ہے بلکہ یہ دیکھیں کہ کون کتنا درد مند دل رکھتا ہے۔ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے اس جماعت کی روح

ہم سے ناقدین کی کمی اور تخلیق کاروں کی زیادتی کا تقاضہ کرتی ہے۔ جماعتوں کی جماعت بندی اور اجتمائیت کے لئے ردعمل کی نفسیات بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔ کتا کاٹ کھائے تو اس کو کاٹ کھانا بہتر نہیں ہوتا۔ جذبہ خدمت کی ضرورت ہے نماز کی قضاء تو ہوسکتی ہے لیکن خدمت کی قضاء نہیں ہوتی۔

جب اسلام نافذ ہوتا ہے تو قریش کے بڑے بڑے سردار روم کے مزدور صہیب رومیؓ اور حبشہ کے غلام بلالؓ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی غلام یا لونڈی سے کوئی بات کہتے تو بلا جھجک وہ پوچھ لیتا کہ یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا حکم خداوندی؟۔ مملکت کے ایسے نقشے پیش ہوتے کہ امیر مملکت کو بھی دوسروں کے مشوروں کو ترجیح دینا پڑتی۔ نبی آخر الزماں کا اپنے آخری وقت میں اعلان کرنا کہ میرے گھر میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے اور استعمال کی جو اشیاء چھوڑ رہا ہوں وہ اُمت کی مشترکہ ملکیت ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک مزدور کے برابر روزینہ لینا اور وہ بھی وفات کے وقت بیت المال میں واپس کر دینا کہ معلوم نہیں اس رقم کے برابر کام ہوسکا ہے یا نہیں۔ شام کی بڑھیا کا یہ کہنا ہے کہ خلیفہ کو رعایا کے حالات کا علم نہیں تو اسے حق خلافت بھی نہیں۔ جواب سنیں اُسی خلفیہ راشد کا کہنا کہ عمرؓ اس وقت تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائے گا جب تک یہ علم نہ ہو جائے کہ مملکت کے ہر انسان کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔ آگے سنیں اسی مردِ مومن کا اپنی بیوی کو کہنا کہ قیصر روم کی بیوی نے جو ہیروں کا ہار بطور تحفہ تمہیں بھیجا ہے وہ ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ امیر المومنین کی بیوی کی حیثیت سے بھیجا ہے لہذا بیت المال میں جمع کرا دیں۔ عزیزان من یہ ہے اسلام کا نافذ ہونا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام جہاں آزادی کا سبق دیتا ہے وہاں حدود یعنی باؤنڈری لائن بھی بتاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ سیکولر نظام میں حدود نہیں ہوتیں۔ اپنے فیصلے آخری خیال کئے جاتے ہیں۔ اس گراؤنڈ کی بونڈری نہیں ہوتی ہے صرف دو ٹیمیں ہوتی ہیں۔ یہاں شیر کو طاقت اس لئے ملتی ہے کہ وہ ہرن کو کھا جائے لیکن اسلام کی مقررہ حدود میں جب طاقت آتی ہے تو کمزور کو تحفظ مل جاتا ہے۔ یہی عین اسلام ہے۔۔ اسلام جو نصاب دیتا ہے اس کا Compulsory Subject لازمی مضمون توحید ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ اگر کوئی لازمی مضمون میں فیل ہو جائے تو اختیاری مضامین تو دیکھے ہی نہیں جاتے ہیں۔ پھر گریڈ +A لینے کے لئے خدا نے حسنات کا حکم دیا ہے یعنی دیکھا جائے کہ انسان کی تعمیری قوتیں تخریبی قوتوں سے آگے بڑھ رہی ہیں یا نہیں۔ یہی توحید کا جذبہ جب عشق الٰہی میں تبدیل ہوتا ہے تو انسانی صلاحتیں پروان چڑھ جاتی ہیں۔ توحید نہ ہو تو انسان کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔

آخر میں میری دردمندانہ اپیل ہے کہ اب کم بولنے، زیادہ سوچنے اور کر کے دکھانے کا وقت آ گیا ہے۔ آزمائشیں آتی رہتی ہیں لیکن

وہیں سحر ہوگی جہاں ستاروں نے ساتھ چھوڑا

حقیقت یہی ہے کہ زمانے کے تقاضے اللہ کے نشتر ہوتے ہیں۔ میرا پختہ ایمان ہے کہ ہم راہ حق کے مسافر ہیں اور ایسے مسافروں کو خدا کے وعدہ کے مطابق منزل ضرور ملتی ہے۔ آوارہ کو کچھ نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ مظلوموں کے ساتھ ہوتی ہے ظالموں کے ساتھ

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب وخواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں ۔ یہ آپ کا اخبار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں۔ اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں۔

ایڈیٹر پیغام صلح

ہم مظلوم ہیں ظالم نہیں

عبداللہ احمد

نہیں۔ ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن خلق اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہ کریں۔ انسان ہو کہ حیوان کسی کو بھی نہ ستائیں۔ ہمیشہ کوشش یہی ہونی چاہیے کہ دوسروں کے لئے اذیت نہیں راحت اور سکون کا سبب ہوں۔ اپنے مثبت کردار سے دوسروں کو اپنے قریب کریں، کبھی کسی پر ظلم روا نہ رکھیں۔ ہمارے دین دینِ اسلام نے ہمیں یہی پیغام دیا ہے، ہمیں یہی طرز زندگی سکھلایا ہے، اسلامی تعلیمات یہی ہیں اور ایک اچھا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں ان ہی تعلیمات کو اپنانا اور فروغ دینا چاہیے۔

مکافاتِ عمل اللہ تعالیٰ کی وہ خاموش لاٹھی ہے جس سے ظالم اپنے انجام کو خود ہی پہنچ جاتے ہیں، سو ہمیں ظالم اور اس کے ظلم کی فکر قطعاً نہیں کرنی چاہیے۔ کوئی ہم پہ ظلم بھی کرے تو خندہ پیشانی سے اس ظلم کو سہہ لینا چاہیے۔ کوئی ہمیں کچھ کہے، ہمارے خلاف کوئی فتویٰ آئے، کوئی تحریک اُٹھے، کوئی احتجاج کرے، کوئی مظاہرہ ہو، ہمیں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، ہمیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ”ضرور تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور اُن سے جو مشرک ہوئے بہت سی دُکھ دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو تو بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے“

(سورۃ آل عمران آیت نمبر 186)

ہم مظلوم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد سے کامیابی و کامرانی کا پھل ہماری گود میں آ کر گرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 149-148 میں ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ بری بات کے مشہور کرنے کو (کسی سے) پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اگر تم بھلی بات کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا بدی سے درگذر کرو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا قدرت والا ہے“۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ”بیان القرآن“ میں ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”یہاں بتایا ہے کہ کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے کی نسبت کسی بُری یعنی ہتک آمیز بات کو شہرت دے سوائے اس کے کہ ایک شخص مظلوم ہے یعنی اس کو نقصان پہنچا ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ ظالم کی نسبت ہتک آمیز بات کا اعلان کرے مگر اس سے مراد وہی ہتک آمیز باتیں ہیں جو سچ ہیں ورنہ جھوٹ بات کہنے کا کسی صورت میں بھی حق نہیں۔۔۔۔ یہاں اپنے اس قانون کو اور واضح کر کے بیان فرمایا ہے کہ کسی کے متعلق بھلی بات ہو تو اس کو بے شک ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اگر کسی نے بدی کی ہے تو اسے حتی الوسع معاف کرو۔ یہ وہ طریق ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ گویا بری بات کی تشہیر سے ہی نہیں روکا اسے معاف کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ اگر عفو سے اصلاح نہ ہو اور ظلم انتہا کو پہنچ جائے تو پھر بے شک ظاہر کرے“۔

تفسیر ”ضیاء القرآن“ از پیر محمد کرم شاہ الازھری انہی دو آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے۔ کسی کے حقیقی یا فرضی عیوب کو اچھالنے اور ان کی تشہیر کرنے میں انہیں خاص لطف آتا ہے۔ اور بعض منہ پھٹ ایسے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے کسی کی پگڑی اچھال دی، دو چار بے

نقط سنا کر اپنی بڑائی کی تسکین کر لی۔ ایسے لوگ جس دل آزاری کا باعث بنتے ہیں اور باہمی محبت و پیار کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ ہر اس شخص کو اچھی طرح ہے جس کو اس قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو۔ اسلام جو مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان دیکھنا چاہتا ہے وہ ان یاوہ گوئیوں کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں واضح ہدایت فرما دی کہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے باز آجاؤ۔ کسی کی پس پشت غیبت، کسی کی منہ پر توہین اور ہتک عزت سب کی ممانعت کر دی گئی۔ ہاں وہ شخص جس پر واقعی ظلم ہوا ہو اس کی حق تلفی کی گئی ہو اسے رخصت ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کا برملا اظہار کرے اور اپنی مظلومیت کی داستان بے دھڑک سنائے۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظالم و مظلوم دونوں کو احساس دلایا جا رہا ہے۔ ظالم یہ نہ سمجھے کہ اس کے مظالم کا کسی کو علم ہی نہیں یا دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقف ہے اور اگر دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تو اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی اور مظلوم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کوئی دوسرا تمہاری دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرا فریادرس ہے۔ تیری مظلومیت اور بے کسی کا اسے خوب علم ہے۔“

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث منقول ہے۔ جس میں آپ صلعم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے جو نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ”مظلوم کی بدعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور حق تعالیٰ شانہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں“۔

پس قرآن کریم کی مندرجہ بالا دو آیات کریمہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی مظلومیت پر ہی ہمیں فخر کرنا چاہیے کہ شکر ہے خدایا تُو نے ہمیں مظلوم بنایا ہے۔ ظالم نہیں کیونکہ تیری مدد اور نصرت مظلوموں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ظالموں کے ساتھ نہیں۔ ظلم کرنے والے اپنے نقطہ نظر سے ہٹ جاتے ہیں اور جس کو بُرا سمجھ رہے ہوتے ہیں اسی کو آخر میں اپنا لیتے ہیں۔

آپ اسے قدرت کا انتقام سمجھیں یا قدرت کی کارگری کہ ہمارے وہ مخالفین جنہوں نے اپنی زندگیاں اس کام میں صرف کر دیں کہ احمدیت کو مٹا ڈالیں۔ ان کی اپنی اولادیں ان کے نقطہ نظر سے ہٹ گئیں۔ محترم جاوید احمد غامدی صاحب جو کہ موجودہ دور میں دین کی عقلیت کو ثابت کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ان کے مکتبہ فکر کو ان کے مخالفین غامدیت کے نام سے بھی پکارتے ہیں اور ان کے خلاف بھی اسی طرح کا طوفان برپا کیا جاتا ہے جس طرح ہمارے خلاف۔ 1953ء اور 1974ء کی احمدیہ مخالف تحریکوں کے سرکردہ رہنماؤں میں سے کئی کی اولادیں اب محترم جاوید احمدی غامدی صاحب کے نقطہ نظر سے نہ صرف وابستہ ہو گئی ہیں بلکہ بعض تو ان کے اقرباء میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ ایک اچھا قدم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک دن وہ بھی آجائے گا جب ان مخالفین کی ذریت احمدیت کی حقیقت سے بھی روشناس ہو جائے گی۔ ہم تو صرف اور صرف ان کیلئے دعا گو ہیں کہ وہ اپنے ظلم سے باز آجائیں اور اگر مظلوموں کی حمایت نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے دل میں تو اس ظلم کو بُرا جانیں۔

ان حالات میں بس ہمیں چاہیے کہ آپس میں باہم اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت سے رہیں، اللہ جل شانہ سے اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط بنائے رکھیں۔ اسی ایک در پہ جھکے رہیں۔ اور اللہ سے مدد اور نصرت مانگتے رہیں، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ سے ہدایت اور رحمت کی بھیک مانگتے رہیں۔ کسی کے ساتھ کوئی ظلم اور زیادتی نہ کریں۔ اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد و نصرت فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆

اہل حق کی عظمتِ رفتہ قرآن سے وابستہ ہے

قاری غلام رسول (احمدیہ بلڈنگس لاہور)

ظاہر و باطن میں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا چاہیے

''حضرت اقدسؑ حسب دستور سیر کے لئے تشریف لائے۔ عرب صاحب نے انگریزی وضع قطع پر کچھ ذکر چھیڑا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ انسان کو جیسے باطن میں اسلام دکھلانا چاہیے ویسے ہی ظاہر میں بھی دکھلانا چاہیے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے جنہوں نے آج علیگڑھ میں تعلیم پا کر کوٹ پتلون وغیرہ سب کچھ ہی انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے حتیٰ کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں بھی انگریزی عورتوں کی طرح ہوں اور ویسے ہی لباس وغیرہ وہ پہنیں۔ جو شخص ایک قوم کے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اس قوم کو اور پھر ان کے دوسرے اوضاع واطوار حتیٰ کہ مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے۔ اسلام نے سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلفات سے نفرت کی ہے۔ چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا کہ شریعت اسلام نے چھری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا اور یہ فعل اس لئے کہ تا امت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ان کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ من تشابه بقومٍ فهو منهم سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھا لیا کرتے ہیں اور صف پر کھا لیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھا لیتے ہیں تو ایسی باتوں میں صرف گذارہ کو مدنظر رکھنا چاہیے تشبہ کے معنی اس حدیث میں یہی ہیں کہ اس کو لازم پکڑ لینا ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے کہ کاش ان کے مذہب میں ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر استعمال کئے ہیں۔'' (7 جنوری 1903ء ملفوظات جلد دوم ص 669)

مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟

''مسلمانوں پر پہلے بھی جب اقبال کا زمانہ آیا تو دینی رنگ میں ترقی کرنے سے ہی آیا۔ اب بھی اگر وہ پہلا زمانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دین کی طرف توجہ کریں۔ غیروں کی تقلید سچے مسلمانوں کے لئے کوئی نتیجہ نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں میں جو آج کل مصلح بنتے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنی حالت درست کریں نماز روزہ کے احکام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں قوم کی ترقی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو دین کے ذریعہ ترقی چاہتا ہے اور یہ لوگ بے دین ہونے سے ترقی طلب کرتے ہیں۔ دوسری قوموں کی تقلید ان کے لئے مبارک نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کو اگر بے دینی سے کامیابی ہوتی بھی ہے تو یہ بطور ابتلاء ہے۔ ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا معاملہ علیحدہ ہے۔ عیسائی قومیں شراب خوری قمار بازی کریں تو ان کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ دیکھو ظاہری سلطنت کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر ملازم کسی شورش کے جلسہ میں شامل ہو تو اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی ہے پس اس طرح جو کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوں گے۔ اگر یہ لوگ گستاخی کریں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کریں تو ضرور گرفتار ہوں گے۔ یہ الہام جو ہم کو ہوا وہ وعدہ ٹلے گا نہیں۔ جب تک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہہ نہ جائیں'' تو اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی توحید دنیا سے گم ہو۔ جب مسلمان ہی کفر و شرک پسند کرنے لگیں تو پھر دوسری قوموں کا کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ پہلے گھر صاف ہو تو پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ تمام قوموں میں دہریت بڑھتی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی ہستی ثابت کرنا چاہتا ہے اور ''اوّل خویشاں بعد

درو پیشاں'' کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ پہلے اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ جب مسلمانوں میں ہزاروں گند ہوں تو دوسروں کو کیا کہا جا سکتا ہے جہاد جہاد پکارتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں جہاد کرنے کا حکم ہوتا تو سب سے پہلے انہیں سے کیا جانا چاہیے تھا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ جس قوم کے اندر کتاب ہو پہلے اسے درست کیا جاتا ہے پھر دوسری قوموں کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے۔ سب سے پہلے قریش کی اصلاح کی پھر یہود و نصاریٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مسلمانوں کے دو گروہ

مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک جو پورا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے جن میں سے وہ بھی ہیں جن کی نسبت آریہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے اتنے مسلمانوں کو آریہ کرلیا۔ پہاڑ میں ایسے آدمی ہم نے بہت دیکھے ہیں کہ جن کو اسلام کی کچھ خبر نہیں دوسرے وہ جو مہذب تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اور اسلام کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں نماز کے ارکان پر ہنسی ٹھٹا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز روزہ وحشیانہ زمانے کی باتیں ہیں۔ یہ آج کل احکام زمانے میں مناسب نہیں۔ پس ان دونوں گروہوں کی اصلاح سب سے اول ہے۔ مگر ہم کیا اصلاح کر سکتے ہیں۔ جب تک آسمان ہی سے نہ ہو جس کے کان سننے کے ہوں اسے ہم بخوشی سناتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ بیان کرو گے تو وہ سنیں گے نہیں یا بات کو دوسری طرف لے جائیں گے۔ بے دینی کی ایک زہرناک ہوا چل رہی ہے۔ جس نے کسی کو ہلاک کردیا، کسی کو اندھا، کسی کو مست، وہ جو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے ہیں، بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت کرنے کی بڑی ضرورت ہے فرقے تو بہت ہو گئے تھے مگر دہریہ سب سے زیادہ ہیں۔ عظمت الٰہی مطلق نہیں رہی۔ عظمت کیا ہو جبکہ خدا کے وجود پر ہی یقین نہیں رہا۔''

(ملفوظات جلد 5 ص438)

داڑھی تمام انبیاء اور راستبازوں کا طریق ہے

''داڑھی کی نسبت ایک عرب صاحب نے دریافت کیا تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا بعض انگریز تو داڑھی اور مونچھ سب کچھ منڈوا دیتے ہیں وہ اسے خوبصورتی خیال کرتے ہیں اور ہمیں تو اس سے ایسی کراہت آتی ہے کہ سامنے کھانا ہو تو کھانے کو جی نہیں چاہتا داڑھی کا جو طریق انبیاء اور راستبازوں نے اختیار کرلیا ہے وہ بہت پسندیدہ ہے۔ البتہ ایک مشت ہونی چاہیے اور اس سے زیادہ کٹوا دینی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے مرد و عورت میں داڑھی کا امتیاز رکھا ہے۔''

(ملفوظات جلد دوم ص670)

''فیشنوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ شریعت اسلام کے مطابق مونچھیں کٹائی جائیں اور داڑھی بڑھائی جائے۔'' (ملفوظات جلد 5 ص325)

عورتوں کی اصلاح کی ضرورت اور نئی روشنی والوں کی مذمت

''اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو۔ عورتوں میں بت پرستی کی جڑ ہے کیونکہ ان کی طبائع کا میلان زینت پرستی کی طرف ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بت پرستی کی ابتدا انہی سے ہوئی ہے، بزدلی کا مادہ بھی ان میں زیادہ ہوتا ہے کہ ذرا سی سختی پر اپنے جیسی مخلوق کے آگے ہاتھ جوڑنے لگ جاتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ زن پرست ہوتے ہیں رفتہ رفتہ ان میں بھی یہ عادتیں سرایت کر جاتی ہیں۔ پس بہت ضروری ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں'' (النساء: ۳۴) اور اسی لئے مرد کو عورتوں کی نسبت قویٰ زیادہ دیئے گئے ہیں اس وقت جو نئی روشنی کے لوگ مساوات پر زور دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں ان کی عقلوں پر تعجب آتا ہے وہ مردوں کی جگہ عورتوں کی فوجیں بنا کر جنگوں میں بھیج کر دیکھیں تو سہی کہ کیا نتیجہ مساوی نکلتا ہے یا مختلف۔ ایک طرف تو اسے حمل ہے اور ایک طرف جنگ ہے وہ کیا کر سکے گی؟ غرضیکہ عورتوں میں مردوں کی نسبت قویٰ کمزور ہیں اور کم بھی ہیں اس لئے مرد کو چاہیے کہ عورت کو اپنے ماتحت رکھے۔

پردہ کی اہمیت اور بے پردگی کی مذمت

یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز

مناسب نہیں یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ۔ ذرا ان کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے ان کی عفت اور پاک دامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو ان کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بدنظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق و فجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ مردوں کی حالت کا اندازہ کرو کہ وہ کس طرح بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئے ہیں نہ خدا کا خوف رہا ہے نہ آخرت کا یقین ہے۔ دنیاوی لذات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ۔ **سب سے اول ضروری ہے کہ اس آزادی اور بے پردگی سے پہلے مردوں کی اخلاقی حالت درست کرو۔''**

(ملفوظات جلد 4 ص 104)

اسلام کی ترقی یورپ کی اتباع میں نہیں

''اسلام جو یہ ایمانی قوت لے کر آیا تھا۔ بہت ضعیف ہو گیا ہے اور عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کمزور ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ آئے دن مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں۔ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لئے کام کرتی ہیں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ان مجلسوں میں جن کا دعویٰ اسلام ہے ان مجلسوں میں قوم قوم تو پکارتے ہیں ۔ قومی ترقی، قومی ترقی کے گیت تو گاتے ہیں لیکن کوئی مجھ کو یہ بتائے کہ کیا پہلے زمانے میں جب قوم بنی تھی وہ یورپ کے اتباع سے بنی تھی؟ کیا مغربی قوموں کے نقش قدم پر چل کر انہوں نے ساری ترقیاں کی تھیں ۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ ہاں اسی طرح ترقی کی تھی تو بیشک گناہ ہوگا اگر ہم اہل یورپ کے نقش قدم پر نہ چلیں لیکن اگر ثابت نہ ہو اور ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر، قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنایا۔ ایک دنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی دنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کے ماتحت چلتے ہیں ۔ قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ناممکن اور محال امر ہے جس کی تلاش میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں ۔ صحابہؓ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انہوں نے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دنیا پر مقدم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیے تھے پورے ہو گئے ۔ ابتداء میں مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے اور بادشاہی کے دعویٰ کرتے ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گم ہو کر وہ پایا جو صدیوں سے ان کے حصے میں نہ آیا تھا۔ وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور ان ہی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے۔ ان لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفار کہتے تھے۔ جب تک اسلام اس حالت میں رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا اس میں سر یہ تھا'' خداداری چہ غم داری''

مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا لیکن آخر اس پر کوئی قابو نہ پا سکا۔ اس کی نیت اسلام کی خدمت تھی غرض ایک مدت تک ایسا ہی رہا جب بادشاہوں نے فسق و فجور اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑا اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا جس کو اب تم دیکھ رہے ہو۔ اب اس مرض کی تشخیص کی جاتی ہے ۔ ہم اس کے مخالف ہیں ۔ ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جاوے گا۔ وہ زیادہ خطرناک اور مضر ثابت ہوگا جب تک مسلمانوں کا رجوع قرآن شریف کی طرف نہ ہوگا۔ ان میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا۔ یہ تندرست نہ ہوں گے۔ عزت اور عروج اُسی راہ سے آئے گا جس راہ سے پہلے آیا'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 410)

دین کو دنیا پر مقدم رکھیں

''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لئے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کو اس وقت بھی مدنظر رکھیں تا کہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کرے، نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں ۔ ہر معاملہ میں دین کو مقدم کریں ۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ اصل مقصود دین ہو۔ پھر دنیا کے کام بھی دین کے ہوں گے ۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے مشکل سے مشکل

وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اس کے تصور سے ہی انسان گھبرا اُٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے۔ نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دعاؤں سے کام لیا، اب یہ بدقسمتی ہے کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں کہ مسلمان ترقی کریں مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے پھر ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دنیا ہی کے لئے ہیں۔ یاد رکھو جب تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرہ ذرہ پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔ اُن کے لئے اور معاملہ ہے تم کو کتاب دی گئی ہے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ ان کے لئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔ تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑو گے تو تمہارے لئے اس دنیا میں جہنم موجود ہے۔ ایسی حالت میں قریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کے لئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہیں لیکن کسی ہمدرد اسلام کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔ اس پر عمل کرو۔ اگر کہتے ہیں تو بس یہی کہ انگریزی پڑھو، کالج بناؤ، بیرسٹر بنو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔ حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر فائدہ نہ کرے تو اپنے علاج سے رجوع کر لیتے ہیں۔ یہاں ناکامی پہ ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر خدا نہیں ہے تو اس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کر لیں گے لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے پھر اس کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے اس کی بے عزتی کر کے اس کی کتاب کی بے ادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاوے کبھی نہیں۔ ہماری رائے تو یہی ہے جس کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اس پر زندہ ایمان پیدا کریں، ہم اگر ان باتوں کو ان دنیا پرستوں کی مجلس میں بیان کریں وہ تو ہنسی میں اڑا دیں مگر ہم کو رحم آتا ہے کہ افسوس یہ لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں۔ آپ کو چونکہ خدا تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ اس قدر دور دراز کا سفر اختیار کر کے اور راستہ کی تکلیف اٹھا کر آئے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں اگر ایمانی قوت کو تحریک نہ ہوتی تو اس قدر تکلیف برداشت نہ کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے اور اس قوت کو ترقی دے تا کہ آپ کو وہ آنکھ عطا ہو کہ آپ روشنی اور نور کر دیکھ سکیں جو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دنیا پر نازل کیا ہے۔'' (ملفوظات جلد اول ص 410)

ذاتوں کا امتیاز

''یہ جو مختلف ذاتیں ہیں یہ کوئی وجہ شرافت نہیں خدا تعالیٰ نے محض عرف کے لئے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف چار پشتوں کے بعد حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔ متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میرے نزدیک ذات کی کوئی سند نہیں۔ حقیقی عزت و عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔'' (ملفوظات، جلد اوّل ص 23)

گناہ کی حقیقت

''گناہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی (کام) کرنا اور ان ہدایتوں کو جو اس نے اپنے پیغمبروں خصوصاً سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دی ہیں توڑنا اور دلیری سے ان ہدایتوں کی مخالفت کرنا یہ گناہ ہے جبکہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کا علم دیا جاوے اور اس کو سمجھایا جاوے پھر اگر وہ ان ہدایتوں کو توڑتا اور شوخی اور شرارت سے گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی کا نتیجہ یہی نہیں ہوتا کہ وہ مرنے کے بعد دوزخ میں پڑے گا بلکہ اسی دنیا میں بھی اس کو طرح طرح کے عذاب آتے ہیں اور ذلت اُٹھانا پڑتی ہے۔ دنیا میں اگر ایک ملک میں جرم کیا تو بھاگ کر دوسرے ملک میں جا سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی عملداری سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ یہ زمین و آسمان صرف اُسی کا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل ص 607)

''خوش قسمت وہ نہیں جس کو بہت سی دولت مل جاوے اور وہ ہزاروں مصیبتوں اور آفتوں سے گھیر جائے بلکہ خوش قسمت وہ ہے جس کو ایمان کی دولت ملے اور وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب سے ڈرتا رہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے حملوں سے بچاتا رہے۔ یاد رکھو گناہ کی زندگی سے موت اچھی ہے کیونکہ گناہ کی زندگی مجرمانہ زندگی ہے۔ اگر اس پر موت وارد نہ ہو تو یہ سلسلہ لمبا ہو جاتا ہے لیکن جب موت آجاتی ہے تو کم از کم گناہ کا سلسلہ لمبا تو نہیں ہوتا۔'' (ملفوظات جلد اول ص 607)

ابھی بھی وقت ہے استغفار کریں

ملک بشیر اللہ راسخ

ملک بشیر اللہ خان راسخ ایک نامور ماہر نجوم و ماہر علم الاعداد ہیں، جن کا زاویہ نگاہ اور اندازِ تحریر منفرد ہے جو اشاروں کنایوں میں بین اسطور بھی بات کرتے ہیں اور ببانگ دہل بھی مشکل مضامین پر قلمی جہاد کرتے ہیں۔ یہ مضمون سانحہ پشاور اور علم نجوم و علم اعداد کی روح سے سال 2015ء کے متعلق ہے۔ ادارہ

علم نجوم دنیاوی علم ہے، دنیا کا قدیم ترین علم مستند علم جسے بطور فن زمانہ قدیم اہمیت حاصل ہے دنیا میں ماہرین علم الاعداد نے عدد 8 کو سخت ترین عدد قرار دیا ہے۔ چاہے اس کا عمل دخل عام افراد کی زندگی میں، نام میں، حروف کے اعداد میں ہو یا قوم، ملک کے واقعات میں ہو ردِ عمل شدید ہوتا ہے۔ عدد 8 لوگوں کو بھی شدید حالات سے دوچار کرتا ہے۔ سال 2015ء کا عدد بھی 8 ہے جو کہ علم الاعداد کے مطابق وطن عزیز کے لئے بھی ایک مشکل سال دیکھائی دے رہا ہے۔ مگر اس کی سختی اور نحوست سے بچنے کے لئے روحانی تدارک موجود ہے۔

پاکستان کا عدد 3 ہے اور اس عدد کا دشمن 8 ہے۔ ماضی میں بھی عدد 8 کے زیر اثر تاریخوں اور سالوں میں بدترین حادثے اور سانحے رونما ہو چکے ہیں، جن میں سقوط ڈھاکہ، ذولفقار علی بھٹو کی پھانسی، جنرل ضیاالحق کے طیارے کو حادثہ اور 8 اکتوبر 2005ء کا بدترین زلزلہ اور سانحہ پشاور 16 دسمبر بھی شامل ہیں۔

آج کا دن (سانحہ پشاور) اور آج کی تاریخ پاکستانی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے۔ آرمی پبلک سکول پشاور میں ننھے پھولوں اور اساتذہ، عملہ اور دیگر لوگوں کے وحشیانہ قتل عام پر دل بھی خون کے آنسو رو رہا ہے اور کیوں نہ روئے کہ اس ملک کا ہر شہری ہمارا بھائی ہے۔ سو ہم کیسے اس غم سے بچ سکتے ہیں۔

جاں بحق بچے ہمارے بچے ہیں، وہ فوجی جوان جو اس ملک کی حفاظت میں مصروف اپنی جانوں کی اور جوانیوں کی قربانیاں دے رہے ہیں وہ ہمارے بھائی، افسوس صد افسوس کہ اُس ملک میں بچے، بزرگ، مائیں، بہنیں، جوان بھائی بیٹے ہر شہر، کوچہ و قریہ میں شہید ہو رہے ہیں جو کہ کلمہ طیبہ کے نام پر اور کلمہ طیبہ کے نفاذ کی خاطر وجود میں آیا تھا۔ ایک ایسا ملک جس میں ہر شہری مسلم ہو یا غیر مسلم سب کو یکساں ہونا چاہیے۔ سب کی عزت یکساں ہونی چاہیے، سب کو خداوند کریم نے پیدا کیا ہے اور سب نے اس ملک کے لئے قربانیاں دی ہیں وہاں ایسی بربریت افسوس ناک ہے۔ اس ملک میں سب کو یکساں جینے کا حق ہے۔ اور اس کی حفاظت کرنا بھی ہم سب کا فرض ہے خواہ وہ کسی رنگ و نسل، ذات، زبان، مسلک، فرقہ، مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ سب کو عزت اور امن کے ساتھ جینے کا حق ہے۔ کسی کے حق کو چھیننے، بے گناہ کو قتل کرنے، اپنی مرضی طاقت، دھونس اور تشدد، قتل و غارت سے مسلط کرنے، اپنا ذاتی نظریہ دوسرے پر مسلط کرنے کا کوئی مذہب، کوئی کتاب اجازت نہیں دیتی۔

کوئی زمین پر بیٹھ کر جنت و دوزخ کے سرٹیفکیٹ جاری کرے جسے چاہے واجب القتل قرار دے دے۔ دین اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے صرف رب المسلمین نہیں ہے۔ خودکش حملہ کس کی ایجاد ہے؟ کس کی اختراع ہے؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خاتم المرسلین نے کوئی ایسا جہاد کیا؟ کیا ایسی تعلیم اُمت کو دی ہے؟ کیا قرآن حکیم ایسی بربریت تعلیم دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ سوچیے فتوؤں کا بازار گرم ہے اور اگر یہ بازار ایسے ہی گرم رہا تو اس ملک میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ خوفِ خدا شاید ختم ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے چھوٹ دیتا رہتا ہے اور کچھ متقیوں اور کچھ پرہیزگاروں اور تہجد گزاروں کا رونا خداوند کریم کے عذاب کے نازل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ میں اپنے اہل خانہ سمیت سب کو خبردار کر رہا ہوں، وقت ہے استغفار کریں وگرنہ رونے والوں کے لئے بھی کوئی پیغام آ سکتا ہے۔

پاک آرمی کو سلام، دہشت گردی میں شہید ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت نصیب کرے اور ورثا کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ظہورِ قدسی

12 ربیع الاوّل

ملک بشیر اللہ خان راسخ کے قلم سے

چمنستان دھر میں بار ہا
رُوح پرور بہاریں آچکی ہیں
چرخِ نادرۂ کار نے کبھی کبھی
بزمِ عالم، اہلِ سروسامان
سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ
ہوکر رہ گئی ہیں
لیکن آج کی تاریخ
وہ تاریخ ہے کہ جس کے انتظار
میں پیرِ کُہن سال، دھر
نے کروڑوں برس صرف کر دیئے
سیارگانِ فلک اِسی
دن کے شوق میں ازل سے
چشم براہ تھے
چرخِ کُہن مدتہائے دراز
سے اسی صبح جان نواز
کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں
بدل رہا تھا، کارکنان
قضاوقدر کی بزم آرائیاں
عناصر کی جدت طرازیاں
ماہ خورشید کی فروغ انگیزیاں
ابروباد کی تردستیاں
عالم قدس کے انفاسِ پاک

توحیدِ ابراہیمؑ
جمالِ یوسفؑ
معجز طرازیٔ موسیٰؑ
جان نوازیٔ مسیحؑ
سب اسی لئے تھے
کہ یہ متاع ہائے گراں
شہنشائے کونینؐ
کے دربار میں کام آئیں
آج کی صبح
وہی صبح
جان نواز ہے
وہی ساعتِ ہمایوں
وہی دورِ فرخ فال ہے
آج کی رات
ایوان کسریٰ کے
14 کنگرے گر گئے
آتش کدہ فارس بجھ گیا
دریائے سادہ خشک ہوگیا
لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان
کسریٰ نہیں بلکہ
شانِ عجم، شوکت روم، اوجِ چین
کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے

آتشِ فارس نہیں بلکہ
جحیم شنز، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی
سرد ہوکر رہ گئے
صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی
بتکدئے خاک میں مل گئے
شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا
نصرانیت کے اوراق
خزاں رسیدہ، ایک ایک
کر کے جھڑ گئے
توحید کا غلغلہ اُٹھا
چمنستانِ سعادت میں بہار
آگئی، آفتاب ہدایت کی
شعائیں ہر طرف پھیل گئیں
اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو
قدس سے چمک اُٹھا
یعنی یتیمِ عبداللہؓ، گوشۂ آمنہؓ
شاہِ حرم، حکمرانِ عرب،
فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین
عالم قدس سے عالم امکان
میں تشریف فرما ہوئے
سوعزت واجلال ہوا

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچارشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کا مقصد

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ (مجدّد صد چہار دہم)

جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہو کر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک اور مقدّس مذہب کو جو سراسر قانونِ قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے۔ موردِ اعتراض ٹھہرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں جو لڑائی کو یُدّ ھ کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ بھی جہاد کے لفظ کا ہی بگڑا ہوا ہے۔ چونکہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اور تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں۔ اس لئے یُدّ ھ کا لفظ جو سنسکرت کی زبان میں لڑائی پر بولا جاتا ہے۔ دراصل جہد یا جہاد ہے اور پھر جیم کو یا کے ساتھ بدل دیا گیا اور کچھ تصرّف کر کے تشدید کے ساتھ بولا گیا۔

اب ہم سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اس کی نسبت موجودہ قوموں اور فرقوں کے دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس مرد خدا کے ظہور سے ان کی آمدنیوں اور وجاہتوں میں فرق آتا ہے۔ ان کے شاگرد اور مریدان کے دام سے باہر نکلنا شروع کرتے ہیں کیوں کہ تمام ایمانی اور اخلاقی خوبیاں اس شخص میں پاتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اہل عقل و تمیز سمجھنے لگتے ہیں کہ جو عزت بخیال علمی شرف اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے ان عالموں کو دی گئی تھی اب وہ اس کے مستحق نہیں رہے اور جو معزز خطاب ان کو دیئے گئے تھے جیسے نجم الامتہ اور شمس الامتہ اور شیخ المشائخ وغیرہ اب وہ ان کے لئے موزوں نہیں رہے۔ سو ان وجوہ سے اہل عقل ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے ایمانوں کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔''

(''مقام محمد مصطفےٰ صلعم'' صفحہ نمبر 85)

ختم نبوت پر امام الزماںؑ کا موقف

''اس جگہ پر یاد رکھنا چاہئے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے ، یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس قوت یقینی معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ نہیں مانتے اور ان کا ایسا ظرف ہی نہیں ہے وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں ہے سمجھتے ہی نہیں ہیں انہوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سنا ہوا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ نہیں جانتے کہ ختم نبوت کیا ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے مگر ہم بصیرت تام سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختم نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ اس عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے ایک خاص لذت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا بجز ان لوگوں کے جو اس سرچشمہ سے سیراب ہوں دنیا کی مثالوں میں سے ہم ختم نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں کہ جیسے چاند ہلال سے شروع ہوتا ہے اور چودھویں تاریخ پر آکر اس کا کمال ہوجاتا ہے جبکہ اسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات نبوت ختم ہوگئے۔'' (الحکم ، ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء)

''کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے جب تک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا کچھ نہیں۔'' (الحکم ، ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

''اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کیلئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی یعنی معنے اس حدیث کے ہیں کہ '' علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل '' یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔'' (حقیقۃ الوحی ، ص ۹۷ حاشیہ)

☆☆☆☆